[illegible]

الاصلاح

دائرۂ حمیدیہ کا ماہوار علمی و مذہبی رسالہ

مرتبہ

امین احسن اصلاحی

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۹۰۲

دائرۂ حمیدیہ کی اعانت

دائرہ حمیدیہ کی خدمت و اعانت، کتاب اللہ کی خدمت و اعانت ہے [illegible]

۱۔ جو حضرات سو روپے یکمشت دائرہ کو عنایت فرمائیں گے [illegible] ہوں گے۔ ان کو دائرہ کا رسالہ "الاصلاح" اور تمام مطبوعات [illegible] دی جائیں گی۔

۲۔ جو حضرات پچاس روپیہ یکمشت عنایت فرمائیں گے۔ ان کو رسالہ [illegible] دائرہ کی دوسری مطبوعات برابر نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

۳۔ جو حضرات دس روپے سالانہ عنایت فرمائیں گے ان کی خدمت میں [illegible] جاری کیا جائے گا اور سال بھر کی مطبوعات بلا قیمت بھی جائیں گی۔

ہدایات و قواعد

۱۔ الاصلاح ہر انگریزی مہینہ کی پندرہ تک شائع ہوگا۔

۲۔ اگر مہینہ کے آخر تک پرچہ نہ پہنچے فوراً دفتر کو لکھ کر منگوا لیجیے [illegible]

۳۔ مضامین وغیرہ اڈیٹر کے نام بھیجئے اور دفتر سے متعلق [illegible]

۴۔ دفتر سے خط و کتابت کرنے میں خریداروں کو نمبر خریداری [illegible]

۵۔ چندہ سالانہ چار روپے۔ بیرون ہند کے لئے [illegible]

عبدالاحد اصلاحی — منیجر دائرہ حمیدیہ — [illegible]

عبدالاحد طابع و ناشر نے [illegible] پریس [illegible] سے چھپا کر شائع کیا

تصنیفات استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر نظام القرآن

جن کو اللہ تعالیٰ نے کتاب الٰہی کے سمجھنے کا صحیح ذوق بخشا ہے۔ ان کا اتفاق ہے کہ سوقت تک حضرت استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی کی تفسیر نظام القرآن سے بڑھکر کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔ اس تفسیر نے قرآن کی تمام مشکلات حل کر دی ہیں۔ استاذ امام کا طریقۂ تفسیر یہ ہے کہ پہلے سورہ کا عمود یعنی عنوان بحث بتلاتے ہیں۔ پھر آیات کا باہمی نظم اور سابق و لاحق سے سورہ کا تعلق واضح کرتے ہیں۔ اس کے بعد سورہ کے تمام مشکل الفاظ اور مشکل اسالیب کو ایک ایک کر کے لیتے ہیں اور کلام عرب کی روشنی میں ان کو بے نقاب کرتے ہیں۔ پھر سورہ کے فلسفہ و اسرار اور غوامض و حکم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور صحیح نقل و صحیح عقل کی روشنی میں عجائب قرآن اور حکم کتاب الٰہی کو اس طرح کھولتے ہیں کہ منکر سے منکر بھی قرآن کی بے پایاں عظمت کے سامنے سر جھکا دیتا ہے۔ اس عظیم الشان تفسیر کے مندرجہ ذیل اجزا چھپ چکے ہیں۔ اہل علم ان کی قدر کریں تاکہ بقیہ کی طبع و اشاعت کا سامان ہو۔

تفسیر سورۃ الذاریات:- اس کتاب میں مولانا کی عام خصوصیات تفسیر کے علاوہ چند باتیں مخصوص اہمیت رکھتی ہیں۔ اس میں مصنف نے اپنے نظریہ کے مطابق ابتدائی قسموں کا عمود سورہ (دیونسٹ) سے تعلق نہایت وضاحت کے ساتھ دکھایا ہے۔ اسی ضمن میں تمام امم معذبہ مذکورہ قرآن کے اسباب ہلاکت کی تفصیل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقوام معذبہ کی ہلاکت میں ہوا کے تصرفات کو کتنا دخل رہا ہے بنی اسرائیل کے حضرت خروج کے وقت موقع پر جو واقعہ ظہور کی عظیم الشان تحقیق بھی اس ضمن میں آگئی ہے۔ "تعلق" سے متعلق "اور خلق زوجین" سے معاد اور رسالت پر استدلال کے جو پہلو بیان ہوئے ہیں انکی قدر صرف اہل ذوق کر سکتے ہیں۔

قیمت ۱:- ۸ر (باقی سرورق صفحہ ۳ پر ملاحظہ ہو)

نمبر ۸ | ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۳۷ء | جلد ۲

فہرست مضامین

شذرات	امین احسن اصلاحی	۲ - ۸
معارف قرآن		
تفسیر سورۃ الشمس	استاذ امام علامہ حمید الدین فراہیؒ	۹ - ۱۵
تدبر قرآن (۲)	امین احسن اصلاحی	۱۶ - ۲۵
مذاکرہ		
نظریۂ استدراک	جناب چودھری غلام احمد پرویز بی۔اے	۲۶ - ۳۷
نجات	جناب خواجہ ابوالحسن صاحب محکمۂ تعلیمات حکومت	۳۸ - ۴۱
ادبیات		
غزل	جناب مولانا کیفی چریاکوٹی	۴۲
تلخیصات		
موجودہ دنیائے سیاست کے عناصر اربعہ	ع - ن	۴۳ - ۵۰
یورپ کا اخلاقی زوال	ع - ح	۵۰ - ۵۲
اشتراکیت کی ناکامی	ع - ر ناشر	۵۲ - ۵۵
انکشافات		
کتاب مقدس کا سب سے بڑا لفت	"	۵۶ - ۵۷
تقریظ و تبصرہ	ع - ن	۵۸ - ۶۴

شذرات

مدرسۃ الاصلاح میں چھوٹے بچوں کے لئے ایک دارالاقامہ کی سخت ضرورت ہے۔ موجودہ دارالاقامہ میں بمشکل سو طلبہ کے رہنے کی گنجائش ہے لیکن اس وقت کم و بیش ڈیڑھ سو طلبہ اس کے اندر رہتے ہیں۔ اس صورت حال کی وجہ سے طلبہ کو جو تکلیف اور منتظمین کو جو زحمتیں ہیں وہ آسانی سے نہیں بیان کی جا سکتیں۔ بالخصوص اس سال تو اس معاملے نے کارکنوں کو سخت آزمائش میں ڈال دیا۔ ان کو داخلہ کی بہت سی درخواستیں نامنظور کرنی پڑیں، اور جن طلبہ کو انھوں نے منتخب کر کے لیا ان کے لئے قیام کی معمولی سہولتیں مہیا کرنے میں بھی سخت مشکلیں پیش آ رہی ہیں۔

مدرسۃ الاصلاح نے چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت کے معاملہ کو ابتداء ایک خاص مقصد کی حیثیت سے پیش نظر رکھا ہے لیکن افسوس ہے کہ بعض دقتوں کی وجہ سے جن میں سب سے زیادہ اہم دارالاقامہ کی تنگی ہے، اب تک اس چیز کی طرف پوری توجہ نہیں کی جا سکی۔ لیکن اب اس معاملے سے اغماض کرنا ناممکن ہے۔ موجودہ حالت یہ ہے کہ چھوٹے بچوں اور بڑے طلبہ کا تمام نظام بالکل مشترک ہے، جس کی وجہ سے ایک طرف تو چھوٹے بچے ان بہت سی راحتوں اور آسانیوں سے محروم ہیں جو ان کے عمر کے تقاضے سے ایک عمدہ دارالاقامہ میں ان کو حاصل ہونی چاہئیں۔ دوسری طرف ان کی تعلیم و تربیت، اور ان کی آزادی اور ان کے بڑھنے اور ابھرنے کی صلاحیت کو اس سے نقصان پہنچ رہا ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور اہم سوال بھی منتظمین کے سامنے ہے۔ اب تک مدرسۃ الاصلاح کی تعلیم و تربیت کا فیض عموماً مسلمین اور غرباء تک محدود رہا ہے لیکن اب متوسطین کا طبقہ بھی اسکی طرف متوجہ ہو رہا ہے۔ یہ لوگ

اپنے بچوں کو اس خواہش کے ساتھ مدرسۃ الاصلاح میں بھیجنا چاہتے ہیں کہ دو تین سال وہ یہاں کے علمی و مذہبی ماحول میں رہ کر ایسی مذہبی تعلیم و تربیت حاصل کر لیں جو آیندہ زندگی میں ان کیلئے مفید ہو سکے۔ اور قدرتی طور پر وہ اس امر کے بھی خواہش مند ہیں کہ ان کے لئے قیام و طعام اور نگرانی و تربیت کی مخصوص سہولتیں مہیا کی جائیں۔ اس قسم کی جو درخواستیں اب تک ہم کو موصول ہوتی تھیں، ہم اپنی دقتوں کی بنا پر ان کے جواب میں معذرت کرتے تھے لیکن اس کے لئے لوگوں کا اصرار اس درجہ بڑھتا جا رہا ہے کہ مجبوراً ہم کو اس معاملہ پر غور کرنا پڑا۔ اور حق یہ ہے کہ اس معاملہ کا ایک پہلو ایسا ہے جس کی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہ کرنا ایک قومی و مذہبی گناہ ہے۔ مسلمانوں میں امراء و متوسطین کے بچے عموماً انگریزی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور آج انگریزی مدارس اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کی فضا اسلامی تعلیم و تربیت سے جس قدر بیگانہ ہے وہ معلوم ہے اس لئے اس طبقہ کے بچوں کی اگر کوئی دینی خدمت مدرسۃ الاصلاح سے بن آئے تو دریغ نہ کرنا چاہیے کہ اگر ان میں سے ۵ فیصدی نے بھی اپنی آیندہ زندگی میں ہماری ابتدائی تعلیم و تربیت کا کوئی نقش باقی رکھا تو اس عہد میں دین و مذہب کی یہ کوئی معمولی خدمت نہیں ہو گی۔

پس ان حالات کی وجہ سے منتظمین نے بچوں کے لئے ایک علیحدہ دارالاقامہ کی تعمیر کا فیصلہ کیا ہے تاکہ مدرسۃ الاصلاح کے مخصوص ماحول اور اس کے اغراض و مقاصد کو پیش نظر رکھ کر ان کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک عمدہ نظام کا آغاز کیا جائے۔ اس نظام کا پورا خاکہ ہم کسی اور صحبت میں پیش کریں گے سردست صرف اس قدر عرض کیا جا سکتا ہے کہ انشاء اللہ یہ نظام بچوں کی تعلیم و تربیت کا ایک بہترین نظام ہو گا۔ ہم نے اس کے بعض اجزاء کا تجربہ دو لائق اور مستعد استاذوں کی نگرانی میں شروع کر دیا ہے ابھی کام کی ابتداء ہے اور بے شمار دقتیں حائل ہیں لیکن ہم کو پوری امید ہے کہ یہ نظام کامیاب رہے گا اور وہ مسلمان جو چاہتے ہیں کہ کم سے کم مصارف میں ان کے بچے ایک مذہبی ماحول میں رہ کر بہتر سے بہتر تربیت

حاصل کرسکیں اس سے پوری طرح مطمئن ہو سکیں گے۔

اس مقصد کیلئے ہم جو دارالاقامہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ فی الحال اس کے چھ کمرے تعمیر ہوں گے۔ ہر کمرہ پر کم وبیش ساڑھے پانچ سو کی لاگت آئے گی۔ ایک ایسے زمانہ میں، جبکہ اقتصادی زبوں حالی کا شکوہ ہر زبان پر ہے، اتنی بڑی رقم حاصل کرلینا مشکل کام ہے، بالخصوص ایسی حالت میں تو اور بھی مشکل ہے جبکہ ہمارے سامنے روز کی روٹی کا سوال پوری اہمیت کے ساتھ ہے لیکن ہماری قوم میں ایسے ارباب کرم کی کمی نہیں ہے جو بہت آسانی کے ساتھ ایک ایک کمرے کی تعمیر کی ذمہ داری اپنے سر لے سکتے ہیں۔ اگر وہ توجہ کریں گے تو ہم چند دنوں میں اس کام سے فارغ ہو جائیں گے۔ پس ہم سب سے پہلے انہی کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے ناموں سے ایک ایک کمرہ اس دارالاقامہ کے اندر تعمیر کرادیں۔ وہ اس کام میں اپنا روپیہ صرف کرکے اپنی قومی و مذہبی تعلیم کی ایک ایسی خدمت انجام دیں گے جو انشاءاللہ ان کی قوم کے رتبہ کو اونچا کرے گی۔ اس کے بعد ہم اپنے عام مسلمان بھائیوں سے امداد کی درخواست کرتے ہیں کہ جس طرح انھوں نے مدرسۃ الاصلاح کے ہر ارادہ کی تکمیل میں کارکنوں کی مدد کی ہے، اسی طرح اس موقع پر بھی ہماری مدد کریں۔

ہم کو امید ہے کہ ہماری قوم کے اغنیاء اس اپیل پر توجہ کریں گے۔ ہم نے یہ ارادہ محض اس شوق میں نہیں کیا ہے کہ مدرسہ کی عمارات میں اضافہ ہو جائے۔ بلکہ ضرورت نے مجبور کیا ہے کہ حالات کی ناساعدت کے باوجود ہم یہ ارادہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور تمام مسلمانوں کی مدد فرمائے۔

کتبخانہ مدرسۃ الاصلاح کی امداد کے لئے جو اپیل ان صفحات میں کی گئی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ ارباب کرم نے اس کی طرف توجہ فرمائی۔ اب تک جن ہمدردوں نے اس سلسلہ میں کوئی اعانت فرمائی ہے اس کی تفصیلات ہم قارئین کو پہنچا چکے ہیں۔ آج ایک تازہ بشارت سناتے ہیں۔

رنگون میں، ملا احمد داؤد صاحب مدنی، ایک ذی علم اور صاحب خیر بزرگ ہیں۔ ان کو مدرسۃ الاصلاح کے ساتھ خاص شغف ہے۔ مدرسۃ الاصلاح کے وفود کی پذیرائی اور ان کی امداد و اعانت میں انھوں نے ہمیشہ فیاضی اور سیرچشمی سے حصہ لیا۔ ان کی ملکیت میں عربی کتب کا ایک عمدہ کتبخانہ ہے جو تمامتر مشہور ائمہ و مصنفین و علمائے اسلام کی تالیفات پر مشتمل ہے۔ کتبخانہ مدرسۃ الاصلاح کی اپیل، ہمارے عزیز مولوی نورالہدیٰ صاحب اصلاحی کی وساطت سے موصوف تک بھی پہنچی اور موصوف نے اپنے کتبخانہ کا ایک قیمتی حصہ مدرسۃ الاصلاح کے کتبخانہ کے لئے مرحمت فرمایا۔ مولوی نورالہدیٰ صاحب اصلاحی نے کتابوں کی فہرست ہمارے پاس بھیجی ہے۔ یہ کتابیں تعداد میں نوّے ہیں، جنمیں سے بعض بعض متعدد جلدوں میں ہیں۔ اور الحمدللہ یہ مجموعہ محض رطب ویابس کا ڈھیر نہیں ہے۔ نہایت مفید اور قیمتی کتابوں پر مشتمل ہے۔ ابن تیمیہ، ابن قیم، عبدالوہاب شعرانی، امام سیوطی، ابن رشد، علامہ بزدوی، ابوجعفر نحاس، امام غزالی، دبوسی، جاحظ، عیسیٰ ہمدانی، محی الدین ابن عربی، ابن مسکویہ، قبیصی، شرطونی کے ناموں سے کون ناواقف ہوگا؟ زیادہ تر کتابیں انہی مصنفین کی ہیں۔ اور یقیناً ان کے اضافہ سے مدرسۃ الاصلاح کے کتبخانہ کی عزت بڑھ گئی ہے۔ ہم مدرسۃ الاصلاح کے کارکنوں اور اس کے تمام اساتذہ و طلبہ کی طرف سے مدنی صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مدنی صاحب کو جزائے خیر دے۔

کتبخانہ کے لئے ہم نے جب جب اپیلیں کی ہیں یہ بات خاص طور پر ہمارے پیش نظر رہی ہے کہ یہ اپیل ان لوگوں کے کانوں تک پہنچے جن کی ملکیت میں کتابوں کے ذخیرے ہیں۔ کیونکہ بغیر ان کے مدرسۃ الاصلاح کے کتبخانہ کا پیٹ بھرنا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مدنی صاحب نے ہماری اپیل پر توجہ فرماکر دوسروں کے لئے راہ کھول دی۔ ہم کو امید ہے کہ دوسرے ارباب علم اس عمدہ مثال

کی پیروی کریں گے اور مدرسۃ الاصلاح کے کتبخانہ کی امداد کتابیں بھیجکر فرمائیں گے۔ مدرسۃ الاصلاح کے ہمدردوں میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کے پاس کتابیں موجود ہوں گی اور ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا جاتا ہوگا۔ ان سے درخواست ہے کہ وہ اپنی کتابیں مدرسۃ الاصلاح کے کتبخانہ کو عنایت فرمائیں کہ طلبہ اور علماء ان سے استفادہ کریں۔ ان کو کیڑوں کی خوراک بنانے سے کیا فائدہ؟

تفسیر سورۃ الشمس، جس کے ترجمہ کی آخری قسط اس پرچہ میں نکل رہی ہے، استاذ امام رحمۃ اللہ علیہ کے عام انداز تفسیر سے کسی قدر مختلف ہے۔ اس میں مولانا بعض اشارات کی رہنمائی میں بعض ذوقی مباحث کی طرف نکل گئے ہیں۔ جن سے ممکن ہے بعض لوگ متفق نہ ہوں۔ پچھلے پرچہ کو دیکھکر ایک عزیز نے اس کے اس حصہ کے متعلق اپنے تردد کا اظہار کیا تھا جس میں مولانا نے حضرت علیؓ کو اس امت میں ناقۃ ثمود کی مثال قرار دیا ہے۔ اس طرح کے مباحث کے متعلق یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ انکی بنیاد محض ذوق اور اشارات پر ہوتی ہے۔ اس لیے ضرور نہیں کہ ہر شخص ان سے متفق ہو سکے۔ ان کو عقائد و ایمانیات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بات قرین قیاس اور لگتی ہوئی نظر آئے، قبول کر لیجئے۔ اور اگر دل کو نہ بھائے، ذوق ابا کرے، چھوڑ دیجئے۔ مصنف نے خود اس امر کی تشریح کر دی ہے۔ اور ان کے دلائل ان کے نقطۂ نظر کو واضح کر دینے کے بالکل کافی ہیں۔

آجکل مسلم نوجوانوں نے وقت کے حالات سے متاثر ہو کر جو کروٹ بدلی ہے اس سے ہمارے سن رسیدہ مذہبی پیشواؤں کو بڑا تردد لاحق ہو گیا ہے۔ ان کو اندیشہ ہے کہ یہ نوجوان کانگریس میں جا کر ہند و تہذیب و تمدن کے مقلد اور بالکل بے دین ہو جائیں گے۔ یہ اندیشہ ایک حد تک بجا ہے لیکن اس خطرہ کا علاج کیا ہے؟ نوجوانوں نے جو اقدام کیا ہے یہ ان کی عمر کا تقاضا ہے۔ ان کے خون میں

حرارت ہے اور حرارت اپنا ایک طبعی خاصہ اور اثر رکھتی ہے۔ پس نوجوان بوڑھوں کی طرح سو نہیں سکتے، اپنی طبیعت سے مجبور ہیں کہ کچھ نہ کچھ کریں اور ایسا کام کریں جس میں زندگی کی سرگرمی اور ولولہ کار کا ہیجان ہو، غیرت و حمیت کا مظاہرہ ہو، قربانی اور ایثار کی بلند نظری ہو، مرنے اور مٹنے کی لذت ہو۔

مسلمانوں کے اندر عرصہ سے یہ کاروبار بند ہے۔ علماء مدرسوں میں اور صوفیا خانقاہوں میں پڑے ہوئے سو رہے ہیں اور دوسروں کو بھی سو جانے کی دعوت دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ دعوت نوجوانوں کو کبھی پسند نہ آئے گی۔ ایک زمانہ تک یہ ہوا کہ ان کے بڑے بوڑھے سوتے رہے۔ اور وہ معلوم نہیں گمراہی کی کن کن وادیوں میں بھٹکتے پھرے۔ اب وہ اپنی اس ہرزہ گردی سے اکتا گئے ہیں۔ ان کی آنکھیں کھل رہی ہیں۔ وہ اپنے سامنے نوجوانوں کی ایک صف دیکھ رہے ہیں جو جوش سے بھری ہوئی، امنگوں سے تنی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے۔ اور اس کے آگے آگے بوڑھوں اور سیانوں کی ایک جماعت ہے جو ایثار، قربانی، جانبازی اور [...]ں آپ اپنی نظیر ہے۔ ان کو ایسے خوش قسمت نوجوانوں اور ایسے قابل اور بہادر بوڑھوں پر رشک آتا ہے۔ اور وہ بیتاب ہو ہو کر چاہتے ہیں کہ انہی کے ساتھ نکل جائیں۔ وہ اپنی مُردوں کی بستی سے بیزار ہو گئے ہیں اور قبروں سے جو آوازیں اب تک سنتے رہے ہیں ان سے ان کے کان تھک چکے ہیں۔ اب وہ زندگی اور عمل کی کھوج میں نکلے ہیں۔ پس جن لوگوں کو ان کا مذہب اور ایمان عزیز ہو ان کو چاہیے کہ وہ بستروں سے اٹھیں اور ان کے آگے آگے چلکر ان کی رہنمائی کریں۔ جو لوگ پیچھے بیٹھے ہوئے دور ہی دور سے ان کو ملامت کر رہے ہیں ان کی ملامتیں اب کچھ کارگر نہیں ہو سکتیں۔

ہم کو پورا اطمینان ہے کہ اگر ہمارے علما میدان عمل کی اگلی صف میں آجائیں اور ایثار و قربانی اور فکر و تدبر کی ویسی مثالیں پیش کریں جیسی ان کے شایانِ شان ہیں تو ہماری قوم کے نوجوان کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔ اسلام اور اسلامی روایات کی جن باتوں سے آج ان کے اندر ایک عام بے رغبتی پیدا ہو گئی ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آج جو لوگ ان چیزوں کے داعی ہیں وہ "نفی محض" ہو کر رہ گئے ہیں۔ یعنی دنیا کے اندر جتنے کام ہیں ان کے نزدیک سب باطل اور گمراہ کن ہیں لیکن اگر ان سے سوال کیا جائے کہ ٹھیک کام کیا ہے تو اس کا جواب یا تو دیتے نہیں یا دیتے ہیں تو اس کو سن کر ان کی پست ہمتی اور اپنی بدقسمتی پر افسوس ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک پست ہمت جماعت کی کوئی چیز عزت نہیں پا سکتی۔ یہانتک کہ اس کی خوبیاں بھی آہستہ آہستہ برائیاں بن جاتی ہیں۔ اس کے برعکس جو بہادر اور بلند نظر ہیں وہ اپنی برائیوں کو بھی دنیا کی نگاہوں میں باعزت بنا دیتے ہیں۔ پس اگر ہمارے علماء چاہتے ہیں کہ ہماری قوم کے نوجوانوں کے دلوں میں مذہبی و قومی روایات کی جگہ باقی رہے تو اس کی صرف ایک ہی سبیل ہے کہ وہ اپنے اعمال سے ان چیزوں کو عزت دیں۔ اگر عمل اور کردار کا جادو قدیم ہندستان کی جاہلانہ حماقتوں کو اس بیسویں صدی میں "حکمت و فلسفہ" کے نام سے بچوا سکتا ہے تو دنیا کی کوئی قوم اسلام اور اسلامی روایات کو مٹانے پر قادر نہیں ہے۔ لیکن ہمتوں کا فرق دیکھئے! ایک وہ ہیں جو اس عقل و دانش کے زمانہ میں گائے پجوا رہے ہیں، مورتوں کے سامنے سجدے کرا رہے ہیں۔ اور مٹے ہوئے ہندوستان کی نہ جانے کن کن خرافات کو زندہ کر رہے ہیں اور انھیں مستقبل کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں اور ایک ہم ہیں کہ کانپ رہے ہیں کہ کہیں مسلمان کانگریس میں جا کر خدا کو چھوڑ کر گائے کی عبادت نہ شروع کر دیں۔ سچ کہا ہے۔

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے

معارف القرآن

تفسیر سورۃ الشمس

(۴)

تالیف:- استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ

ترجمہ:- امین احسن اصلاحی

حضرت عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی مثالیں

۱۲- تم کہو گے کہ حضرت علیؓ سے پہلے حضرت عثمانؓ نہایت مظلومیت اور بیکسی کی حالت میں قتل ہوئے، جن کے بعد فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ شہید ہوئے جن کی شہادت تاریخ اسلام کا سب بڑا حادثہ ہے۔ سب سے آخر میں حضرت امام حسینؓ قتل ہوئے، جن کی مظلومیت تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گی، پھر تم نے ان میں سے کسی کے واقعہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے کیوں نہیں تشبیہ دی؟ اس کے لئے حضرت علیؓ ہی کے واقعہ کو کیوں انتخاب کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ ایک مخصوص نوعیت رکھتا ہے۔ آپ کے قتل کی ذمہ داری اس امت پر نہیں ہے۔ آپ کو ایک عیسائی نے شہید کیا۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے جب یہ سنا کہ آپ کا قاتل ایک نصرانی ہے، تو نہایت خوش ہوئے کہ امت آپ کے قتل کے وبال سے بچ گئی۔ صرف تھوڑے سے اشرار اس جرم سے راضی تھے اور چونکہ یہ پہلا خون تھا اس لئے قانون الٰہی نے امہال سے

کام لیا۔ پس حضرت عمرؓ حضرت ذکریا علیہ السلام سے زیادہ اشبہ نظر آتے ہیں۔ جس طرح وہ قربان گاہ اور مسجد کے درمیان قتل ہوئے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ بھی نماز کے اندر شہید ہوئے۔ اسی لئے حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ "حضرت عمرؓ کا حلیہ تورات کے اندر موجود ہے"۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ کی بہت سی صفتیں توراۃ میں بیان ہوئی ہیں۔ آیت " ذٰلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل " کی تفسیر کے ذیل میں بعض ضروری باتیں ملیں گی۔

حضرت عثمانؓ کی حالت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی حالت سے زیادہ اشبہ ہے جس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام قید کی حالت میں قتل کئے گئے، اسی طرح حضرت عثمانؓ مکان کے اندر بند کرکے شہید کئے گئے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ سے جو مشابہت حضرت علیؓ کے واقعہ کو ہے، وہ کسی دوسرے واقعہ کو نہیں ہے۔ نتائج کے اعتبار سے بھی دونوں بالکل یکساں درجہ کی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کرکے خدا کی امانت سے محروم ہوگئے۔ اور مسلمان حضرت علیؓ کے قتل کی ذمہ داری لے کر خلافت مقدسہ سے محروم ہوگئے۔

باقی رہا حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا معاملہ تو یہ تو ملت مرحومہ کے سینہ کا وہ زخم ہے جو ہمیشہ تازہ رہے گا۔ اور تاریخ کبھی اس کو فراموش نہ کر سکے گی۔ اور یہ درحقیقت اسی بدبختی کا ایک مظہر ہے، جو حضرت علیؓ کے قتل کی صورت میں نمودار ہوئی تھی۔ زہیر نے جنگ کے نتائج کو احمر عاد سے تشبیہ دی ہے اور کیا خوب بات کہی ہے۔

فتنتج لکم غلمان اشام کلھم   کاحمر عاد ثم ترضع فتفطم

درحقیقت ایک برائی دس برائیوں کا دروازہ کھولتی ہے۔ پس حضرت علیؓ کے قتل کی صورت میں جو شقاوت ظاہر ہوئی، اسی کی پرورش و رضاعت سے وہ حادثہ ظہور میں آیا، جو حضرت امام حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کی شکل میں ظاہر ہوا اور پھر اس واقعہ کی جڑ سے اس طرح کے ہزار ہا فتنوں کی

...تیں ہوئیں اور پھیلیں اور ان کے سموم اور مہلک اثرات نہ جانے کن کن صورتوں میں نمودار ہوئے۔ ...ن کے جان و مال کی اباحت کے جو ہولناک اور شرمناک واقعات بار بار پیش آئے یہ سب اسی ...ولعنو فساد کے برگ و بار تھے۔ اور یہی فتنے تھے جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۃ الوداع میں آگاہ فرما دیا تھا کہ

یا ایھا الناس، انما المومنون	لوگو، تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔
اخوۃ ولا یحل لامری مال اخیہ	کسی شخص کیلئے یہ بات جائز نہ ہوگی کہ اپنے بھائی
الا عن طیب نفس منہ، الا	کا مال لے مگر اس کی اجازت اور خوشی سے۔
ھل بلغت، اللھم اشھد فلا ترجعن	آگاہ، میں نے خدا کا پیغام پہنچا دیا۔ اے اللہ تو گواہ
بعدی کفارا۔ یضرب بعضکم	رہ پس اے لوگو! ایسا نہ ہو کہ تم میرے بعد حالت کفر میں
رقاب بعض	لوٹ جاؤ تم میں سے ایک دوسرے کی گردن مارنے لگے۔

قرآن مجید نے بھی باہمی جنگ و جدال کو عذاب الٰہی سے تعبیر فرمایا ہے۔ سورہ انعام میں ہے:-

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ	کہہ دو، کہ وہ قادر ہے اس بات پر کہ تم پر عذاب بھیجے
عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ	تمہارے اوپر سے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے یا تم کو
اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ	گروہ در گروہ کرکے تم کو باہم ٹکرا دے اور ایک کو دوسرے
بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۔ اُنْظُرْ كَيْفَ	کا عذاب چکھائے دیکھو، ہم اپنی آیتیں کس طرح
نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ	پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں

چنانچہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد یہ عذاب نمودار ہوگیا۔ امت مختلف گروہوں میں بٹ گئی۔ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی جماعتوں میں ایسی خونریز جنگیں ہوئیں کہ مسلمان بالکل بے دم ہوکے رہ گئے۔ اور جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت کا عذاب دوسری جماعت کو

جھونک دیا اور یہ آگ برابر مشتعل رہی۔ بلکہ یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ اس کے بعد مسلمانوں پر جتنی آفتیں نازل ہوئیں وہ تمام تر انہی دونوں گروہوں یا اسی قبیل کی جماعتوں کے ہاتھوں نازل ہوئیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ گروہ بندی اور تفریق اس درجہ مبغوض تھی کہ اس نے اپنے پیغمبر کو اس سے بالکل بری قرار دیا تھا چنانچہ فرمایا: "ان الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعا لست منہم فی شیء" جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کردیا، اور گروہ گروہ بن گئے، تم کو ان سے کوئی علاقہ نہیں۔ اسی طرح ایک اور موقع پر بھی باہمی جنگ وجدل کو عذاب سے تعبیر فرمایا ہے۔ "ومن الذین قالوا انا نصاری اخذنا میثاقہم فنسوا حظا مما ذکروا بہ فاغرینا بینہم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیمۃ۔" اور ان لوگوں میں سے جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں، ہم نے ان سے بھی میثاق لیا، پس وہ بھول گئے ایک حصہ اس چیز کا جس کے ذریعہ ان لوگوں کو تذکیر کی گئی تھی (یعنی کتاب الٰہی) پس ہم نے بھڑکا دی ان کے درمیان عداوت اور بغض کی آگ قیامت تک کے لئے۔

اس بحث کی اصلی جگہ سورہ حجرات ہے، اس لئے یہاں ان اشارات پر ہم کفایت کرتے ہیں۔

سورہ کے ربط پر دوبارہ نظر

۱۳۔ اس سورہ میں بدبختی اور شقاوت کے انجام کی تفصیل کی ہے۔ گویا پوری سورہ "وقد خاب من دسّٰہا" کے اجمال کی تشریح ہے۔ اور "قد افلح من زکّٰہا" جس میں فلاح کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس کا ذکر اس سورہ میں مجمل چھوڑ دیا ہے۔ اس کی توضیح نہیں فرمائی۔ اس کی توضیح بعد کی سورہ (سورۃ اللیل) میں کی ہے۔

سابق سورہ سے ربط کا پہلو یہ ہے کہ اس میں بتایا تھا کہ بیت اللہ کے چند مقاصد ہیں۔ ایمان صبر، مرحمہ اور توصیۂ حق وصبر۔ جو لوگ ان چیزوں کو اختیار کریں گے ان کے لئے کامیابی اور نصرت کی

[illegible]ندیاں ہوں گی اور وہ اصحاب المیمنہ میں ہوں گے۔ اور جو ان سے اعراض کریں گے، ان کیلئے بدبختی اور شقاوت کی لعنتیں ہوں گی اور وہ اصحاب المشئمہ میں ہوں گے۔ پس اس سورہ میں قریش کے کفر اس بدبختی اور شقاوت کی ایک مثال بیان کی۔ اور اس کے لئے قوم ثمود کے واقعہ کو بطور مثال کے اختیار فرمایا۔ اس پہلو سے یہ سورہ، سابق ولاحق دونوں سے مربوط ہو جاتی ہے اور اس کا موقع وہی ہے جو سورہ ماعون کا ہے، جیسا کہ اس کی تفسیر سے واضح ہوگا۔

لیکن اگر ان تمام سابق ولاحق تعلقات سے قطع نظر کر لیا جائے، جب بھی یہ سورہ اپنے اندر ایک مستقل تعلیم حکمت رکھتی ہے۔ یعنی اس میں سرکشی اور تکذیب کے نتائج پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیے گئے ہیں۔ پس اگر تم اپنی نظر کو اسی سورہ کے مطالب تک محدود رکھو، اور اس کے پیش وعقب تک نہ پہنچ سکو، جب بھی اس کی تعلیمات کم از کم سرکشی اور تکذیب کے داعیہ کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے تو بالکل کافی ہیں۔ ہاں اگر اس کو سابق ولاحق سے ملا کر دیکھو گے تو تم پر بعض نئی حقیقتوں کا انکشاف ہوگا۔ تم کو اس بیماری کی جڑ اور اس بدبختی کی اصل بنیاد کا سراغ لگ جائے گا۔ یعنی یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان تمام مفاسد کی اصل درحقیقت قساوت قلب ہے۔ اس کے متعلق ہم نے سابق سورہ کی تفسیر میں مفصل بحث کی ہے۔ وہاں ہم نے دکھایا ہے کہ جہالت، بخالت، اور سرکشی وغیرہ، تمام برائیوں کا اصل سرچشمہ قساوت قلب ہی ہے۔

"ولا یخاف عقبٰہا" کی تفسیر

۱۴۔ قرآن مجید، جس طرح اگلے صحیفوں کا مصدق اور متمم ہے۔ اسی طرح وہ ان کے اختلافات کے باب میں حکم اور مہیمن ہے۔ اپنی یہ حیثیت قرآن مجید نے خود نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر دی ہے۔ ایک جگہ تورات اور انجیل کے بیان کے بعد قرآن کا ذکر ان لفظوں میں آتا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ

اور ہم نے اتاری تم پر کتاب حق کے ساتھ تصدیق کرتی ہوئی اس چیز کی جو اس کے آگے (پہلے) ہو کتاب میں سے (یعنی قدیم صحیفے) اور نگران ہے اس پر پس فیصلہ کرو ان کے درمیان اس چیز کے مطابق جو اللہ نے اتاری ہے اور نہ پیروی کرو انکی خواہشوں کی (یعنی انکی تحریفات کی) چھوڑ کر اس حق کو جو تمہارے پاس آچکا ہو

دوسرے مقام پر ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ

بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر بیان کرتا ہے بڑا حصہ ان باتوں کا جنمیں وہ مختلف ہیں۔

قرآن مجید اپنے اسی منصب کے لحاظ سے جہاں اگلے صحیفوں کی بہت سی باتوں کی تصدیق کرتا ہے، وہیں ان کی بہت سی ایسی باتوں کی جو یہود نے ان میں ملا دی ہیں، اور جن کو حقیقت سے کوئی علاقہ نہیں ہے، نہایت ہی زور و قوت کے ساتھ تردید بھی کرتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا ہے:۔

"ولقد خلقنا السموٰت والارض وما بینہما فی ستۃ ایام" (اور ہم نے پیدا کیا آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں) یہاں تک تو بعینہ توراۃ کے بیان کی تصدیق تھی پھر اس کے بعد فرمایا: "وما مسنا من لغوب" (اور ہم کو ذرا بھی تکان نہیں محسوس ہوئی) یہ ٹکڑا قرآن مجید کے مہیمن اور حکم ہونے کی حیثیت کو نمایاں کر رہا ہے۔ یعنی اس میں توراۃ باب پیدائش کے اس بیان کی تردید ہے جو یہود نے ملا دیا ہے کہ خداوند نے چھ دن کام کیا اور ساتویں دن آرام کیا۔

اس اسلوب کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں۔ قرآن مجید کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی باتیں کہتا

جاتا ہے اور انہی کے لپیٹ میں کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جس سے کسی خاص خیال کی تردید یا کسی مخصوص غلط فہمی کی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔

اس تمہید کو ذہن نشین کر لینے کے بعد، زیر بحث مقام پر غور کرو۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق جہاں بہت سی غلط فہمیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں، وہاں ایک غلط فہمی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ان بہت سے کاموں پر، جو رحمت و نعمت کے اس سے صادر ہوتے ہیں، کبھی کبھی پچھتایا بھی کرتا ہے۔ چنانچہ اس کی ایک دلچسپ مثال یہود کی عنایت سے توراۃ کی کتاب پیدائش ۶ میں بھی ہے۔

"اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی ہے اور اسکے دل کے تصور اور خیال سدا برے ہی ہوتے ہیں تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور دل میں غم کیا۔"

اسی طرح طوفان کے ذکر کے بعد ہے۔

"اور خداوند نے اپنے دل میں کہا کہ انسان کے سبب سے میں پھر کبھی زمین پر لعنت نہیں بھیجوں گا کیونکہ انسان کے دل کا خیال لڑکپن سے برا ہے اور نہ پھر سب جانداروں کو جیسا اب کیا ہے ماروں گا۔"

قرآن کی تعلیم اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے، حکمت و رحمت کے ساتھ کرتا ہے۔ اگر وہ کسی قوم کو ہلاک کرتا ہے یا کسی قوم کو رفعت و ترقی بخشتا ہے تو ایسا بغیر کسی ضابطہ اور اصول کے نہیں کرتا۔ اپنے اسی قانون حکمت و رحمت کے مطابق کرتا ہے جو اس نے اپنے تمام کاموں کے لئے ازل سے ٹھہرا لیا ہے۔ پس اس کے کسی کام میں نہ جنون و طمع کا شائبہ ہے، نہ کمی بیشی کا اندیشہ۔ اور اس لئے وہ ندامت و شرمندگی اور رنج و پچھتاوے کے تمام احوال و عوارض سے بالکل منزہ اور ارفع ہے۔ یہی حقیقت ہے جو بیان "ولا یخاف عقبٰہا" سے واضح ہو رہی ہے۔

اور اس طرح کی کتنی حقیقتیں ہیں جو قرآن کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ہم پر روشن فرما دی ہیں، حالانکہ دوسرے قرآن مجید کی روشنی سے محروم ہونے کی وجہ سے ان سے دور ہیں۔ فالحمد للہ تعالیٰ علی ما ھدانا الی الصراط المستقیم واعطانا من الذکر الحکیم۔

تدبر قرآن

(۲)

امین احسن اصلاحی

تین جماعتیں اوپر ہم نے جن دو جماعتوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ بالکل اصولی تقسیم تھی۔ قرآن مجید نے اس سے زیادہ تجزیہ و تحلیل اور بسط و تفصیل کے ساتھ اس معاملہ میں ہماری رہنمائی کی ہے۔

قرآن مجید کس مقصد کے لئے نازل ہوا ہے؟ اس کا جواب خود قرآن نے ان لفظوں میں دیا ہے:-

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ	یہ کتاب ہے جس کو ہم نے تم پر اس لئے اتارا ہو کہ
النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ	تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لیجاؤ۔
بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ	ان کے رب کے حکم سے، خدائے عزیز و حمید کے
الْحَمِيدِ	راستہ کی طرف۔

یعنی قرآن مجید کا مقصد لوگوں کو گمراہی و ضلالت کی تاریکی سے نکال کر ایمان و ہدایت کی روشنی میں لانا ہے۔ اور یہ کام ایک مخصوص قانون کے مطابق انجام پاتا ہے۔ کیونکہ فرمایا ہے "باذن ربہم" یعنی یہ پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ جس کو چاہے ہدایت و ایمان بخشدے، یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہ جس کو چاہتا ایمان سے بہرہ ور فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہی کے کھڈ میں گرا دیتا ہے۔ اور اس کا یہ چاہنا ایک قانون حکمت کے مطابق ہے۔ وہ قانون حکمت کیا ہے؟ اس کا جواب قرآن مجید نے متعدد مقامات میں دیا ہے۔ لیکن سورہ بقرہ کے آخر میں تعلیم حکمت کے باب میں اس پر نسبۃً زیادہ تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اس لئے ہم اسی مقام کو اس معاملہ کی توضیح کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ فرمایا:-

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم	اللہ ان لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لائے انکو
مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۖ وَالَّذِينَ	نکالتا ہے تاریکیوں سے روشنی کی طرف، اور جنھوں نے
كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ	کفر کیا تو ان کے مددگار طاغوت ہیں وہ انکو نکالتے
يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۗ	ہیں روشنی سے تاریکی کی طرف وہی لوگ جہنم میں
أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا	پڑنے والے ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔
خَالِدُونَ	

یعنی اللہ اور اس کی کتاب کی رہنمائی صرف اہل ایمان کے لئے مخصوص ہے، اہل کفر اس سے محروم ہیں۔ اہل کفر کے رہبر و مددگار طاغوت ہیں، وہ ان کو روشنی میں نہیں آنے دیتے اور اگر کبھی روشنی کی کوئی کرن ان کے سروں پر جھلک جاتی ہے تو وہ فوراً ان کو دھکیل کر تاریکی کے سیاہ پردوں میں چھپا دیتے ہیں کہ کہیں وہ اس راز سے آشنا نہ ہو جائیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مثال بیان کی ہے جن کو تاریکی سے روشنی کی طرف نکالتا یا جن کو تاریکی میں چھوڑ دیتا ہے۔ اور اس کے لئے تین شخصوں کو منتخب کیا ہے جو درحقیقت تین جماعتوں کے نمایندے ہیں۔ فرمایا:-

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ	کیا تم نے اس شخص کے حال پر نظر نہیں کی جو ابراہیم
فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ	سے اس کے رب کے بارہ میں جھگڑنے لگا، اس وجہ
إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي	کہ اللہ نے اس کو سلطنت دے رکھی تھی جب ابراہیم
وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۖ	نے اس سے کہا، میرا رب تو وہ ہے جو جِلاتا ہے اور
قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ	مارتا ہے تو اس نے کہا میں جِلاتا ہوں اور مارتا ہوں
مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ	ابراہیم نے کہا اچھا، اللہ تو آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے

فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۔ أَوْ كَا
لَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ
عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ
اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ
مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ
قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ
قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ
إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ
وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً
لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ
نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا
تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۔ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ
رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ
أَوَلَمْ تُؤْمِن ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ
قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ
فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ
كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ

تم اسکو مغرب سے نکالو تو اس پر وہ کافر ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ یا تم نے اس شخص کے حال پر نظر کی جو ایک بستی پر گذرا۔ اور وہ اپنی چھتوں پر ڈھئی پڑی تھی کہا کیونکر اللہ اسکو زندہ کرے گا اس کی موت کے بعد۔ تو اللہ نے اسکو سو برس تک مردہ رکھا۔ پھر اسکو جلا اٹھایا۔ اور پوچھا تم اس حالت میں کتنی مدت رہے ؟ بولا ایک دن رہا ہونگا یا ایک دن سے بھی کم۔ فرمایا بلکہ تم سو برس رہے ہو اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کی طرف دیکھو کہ کوئی بھی بگڑا نہیں اور اپنے گدھے کی طرف دیکھو۔ (اور ہم نے ایسا اس لئے کیا کہ تم کو یقین حاصل ہو) اور ہم تم کو لوگوں کے لئے نشانی بنا دیں اور ہڈیوں کی طرف دیکھو کیسے ہم ان کو جوڑتے ہیں اور پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ پس جب اس پر حقیقت ظاہر ہو گئی بولا، میں یقین کرتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یاد کرو جب ابراہیم نے کہا اے رب مجھے دکھا دو کیسے تو مردوں کو زندہ کرے گا۔ کہا کیا تم کو اس کا یقین نہیں ؟ کہا ہاں یقین ہے۔ لیکن تاکہ میرا قلب مطمئن ہو جائے۔ فرمایا تو چار پرندے لو اور انھیں اپنے سے ہلا لو پھر کر دو ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک ٹکڑا پھر ان کو

يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ
اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

بلاؤ وہ تمھارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے اور یقین کرو کہ اللہ عزیز و حکیم ہے۔

یہاں اُن واقعات کی توضیح و تاویل مقصود نہیں ہے جنکی طرف یہ آیات اشارہ کر رہی ہیں ہم صرف اس حقیقت کو معلوم کرنا چاہتے ہیں جو ان آیات کے اندر مضمر ہے اور جس کی طرف نظم کلام رہنمائی کر رہا ہے۔ یہ آیتیں ماسبق آیت " اللہ ولی الذین آمنوا " الایہ کے بعد ہی وارد ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ کون لوگ ہیں جو تاریکی سے روشنی کی طرف آتے ہیں اور کون لوگ ہیں جو روشنی سے تاریکی کی طرف جاتے ہیں۔ پس نظم اور اسلوب کلام (الم تر الی الذی حاج ابراہیم ۔ کیا تم نے اس کے معاملہ پر نظر نہیں کی جس نے ابراہیم سے جھگڑا کیا) دونوں مقتضی ہیں کہ ان آیات کا تعلق ماسبق آیت سے ہو پھر جب ہم ان آیات کے مضمون پر نگاہ ڈالتے ہیں تو معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ آیت ماسبق میں جس بات کو اجمال کے ساتھ بیان فرمایا تھا ان آیات میں اسی کو پوری وضاحت اور تمثیل کے ساتھ سمجھا دیا ہے کہ کس قسم کے لوگ ہیں جو خدا کی روشنی سے محروم رہتے ہیں اور کون لوگ ہیں جو اس کی ہدایت سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اب آؤ ۔ ان آیات کو اچھی طرح تحلیل کرکے سمجھیں۔ ان میں غور کرنے سے تین شخصوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔

(۱) ایک وہ شخص ہے، جو حکومت و دولت اور ملک و سلطنت کے نشے سے مخبوط ہے حضرت ابراہیم نے اس کے سامنے اللہ کی روشنی پیش کی ہے۔ لیکن وہ غرور کی مستی میں کسی بات پر غور نہیں کرتا۔ حضرت ابراہیم کی بات پر فوراً معارضہ کر بیٹھتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے معارضہ کا نہایت معقول جواب دیتے ہیں۔ وہ ان کے جواب سے لاجواب ہو جاتا ہے۔ "فبھت الذی کفر" لیکن اس پر ہدایت کی راہ نہیں کھلتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی روشنی طلبگاروں اور ڈھونڈھنے والوں کے لئے ہے [illegible] معارضہ کرتے ہیں ان کی آنکھیں اس سے چندھیا جاتی ہیں لیکن اس سے ان پر ایمان

کی راہ باز نہیں ہوتی۔ واللہ لا یہدی القوم الظالمین۔

(۲) دوسرا ایک شخص ہے جو علم و ایمان سے محروم نہیں ہے بلکہ یقین و بصیرت کا طلبگار ہے۔ اور ہر وقت علم کی طلب اور حقیقت کی کھوج میں سرگرداں۔ وہ بستیوں، مدرسوں، مسجدوں، اور خانقاہوں میں مباحثے اور مناظرے کی مجلسیں نہیں منعقد کرتا، اور نہ یہ کرتا کہ جو خطرہ دل میں گذر جائے اس کو جھٹ چند ورقوں میں چھاپ کے، ساری دنیا میں کوس لمن الملک بجاتا پھرے، بلکہ سوچنے والے دماغ اور غور کرنے والی طبیعت کی طرح وہ خلوت کے گوشوں اور تنہائی کے ویرانوں کا شائق ہوتا ہے۔ وہ بستیوں کے ہجوم سے بھاگتا اور شہروں کے ازدحام سے گھبراتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی مقام عبرت و موعظت کا کوئی خلوتکدہ میسر آجائے تو اپنے ان سوالوں کو لیکر بیٹھ جائے جن کے جواب کے لئے وہ ہمہ وقت تشنہ و بیقرار ہے۔ چنانچہ اسی طرح کی کسی ڈھئی ہوئی بستی پر اس کا گذر ہو جاتا ہے، اس کی منہدم دیواریں اس کے ٹوٹے ہوئے در، اس کی سربسجود محرابیں، اس کی پراگندہ اینٹیں، اور اس کی وحشت و ویرانی کی خاموشی اس کے سامنے عبرتوں اور بصیرتوں کا ایک دفتر کھول دیتی ہے۔ اور طبیعت کا ذوق فوراً اپنے لئے فکر و نظر کا موضوع تلاش کر لیتا ہے۔ اور جس سوال پر دماغ بار بار زور آزمائی کر کے عاجز آچکا تھا، لیکن کوئی تشفی بخش حاصل نہ پا سکا تھا، موقع و ماحول کی تاثیر سے دل کا وہی داغ پھر ابھر آتا ہے۔ تذبذب کی خلش اور اضطراب کی چبھن پھر تازہ ہو جاتی ہے۔ اور وہ انکار و جحود کے غرور کے ساتھ نہیں بلکہ استفہام و تعجب کی حیرانی و درماندگی کے ساتھ، اعراض و تکذیب کے نشے سے مخمور ہو کر نہیں، یکسر ذوق جستجو اور شوق و آرزو ہو کر، پکار اٹھتا ہے "انّی یحیی ہذہ اللہ بعد موتہا"! یہ کیسے ہوگا کہ خدا اس کو پھر زندہ کرے گا!

اگرچہ سوال وہی ہے جو مکہ کے مغروروں اور طائف کے سرکشوں نے کیا تھا اور جس کے جواب میں قرآن نے ان کو صرف جھڑکی سنائی تھی۔ لیکن سوال کے باطن کی ذہنیت بالکل مختلف ہے۔ وہاں انکار کا گھمنڈ تھا، یہاں تواضع کی مسکینی ہے، وہاں مناظرہ و مجادلہ کا ولولہ تھا، یہاں سوال کی خلش اور اضطراب

کی چبھن ہے۔ وہاں حریف کو چپ کرنے کی خواہش کارفرما تھی، یہاں درمان درد اور مرہم زخم مطلوب ہے۔ یعنی وہ تکذیب ہے، یہ سوال، وہ انکار ہے، یہ شک، "وشتان بینہما"۔

چنانچہ اس شخص کے ساتھ بالکل مختلف معاملہ ہوتا ہے۔ اس کے شک کے ازالہ کے لئے اسباب کے تمام پردے ہٹا دئے جاتے ہیں اور ایک ایسی صورت حالات سامنے آجاتی ہے جو شک کے ایک ایک کانٹے کو چن چن کے نکال دیتی ہے اور وہ پورے یقین کی روشنی سے معمور ہو کر پکار اٹھتا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ فلما تبین لہ قال اعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر۔

۳۔ اس کے بعد تیسرے شخص حضرت ابراہیم علیہ السلام نمودار ہوتے ہیں۔ یہ فرماتے ہیں، اے پروردگار! تو مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ اٹھا کھڑا کرے گا؟ سوال ہوتا ہے کہ کیا تم کو اس پر ایمان ویقین نہیں ہے؟ فرماتے ہیں، ایمان و یقین تو ہے۔ بھلا ایمان و یقین کیوں نہ ہوگا! تیرے علم و قدرت سے کیا بعید ہے! تو تو سب کچھ کر سکتا ہے! لیکن اے رب! میں ایمان و یقین سے کچھ زیادہ چاہتا ہوں۔ میں شرح صدر کا بھوکا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ انوار بصیرت کے دریا میں ڈوب جاؤں، میرا سینہ آفتاب یقین و طمانیت کا ایک ابدی و دائمی مطلع بنجائے۔ میں جو کچھ بصیرت سے سمجھا ہوں، اس کو بصارت سے دیکھ لوں، اس کی معرفت میں غرق ہو جاؤں، اس کے رنگ میں رنگ جاؤں۔ "لیطمئن قلبی"

یہ حالت، اوپر کی دونوں حالتوں سے مختلف ہے۔ یہ نہ تو انکار و جحود کی حالت ہے، نہ شک و اضطراب کی۔ یہ شرح صدر کی طلب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے کہ ان کا دل طمانیت و یقین کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے اور ان کی بصیرت کے سامنے تمام حجابات یکقلم ہٹ جاتے ہیں۔

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ یہ تین شخص درحقیقت تین جماعتوں کے نمائندے ہیں۔ اور خدا کی روشنی ان تینوں جماعتوں کے ساتھ تین مختلف قسم کے معاملے کرتی ہے۔ ایک جماعت منکرین مجادلین کی ہے۔ ان کی نگاہوں کو نور الٰہی صرف خیرہ کر دیتا ہے، ایمان و بصیرت نہیں بخشتا۔

دوسری جماعت ارباب شک و اضطراب کی ہے۔ خدا کی روشنی ان کو تشفی و طمانیت بخشتی ہے۔ تیسری جماعت طالبین شرح صدر کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے سینوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

یہ عام سنۃ اللہ کا بیان ہے۔ شقاوت و سعادت کا وہ قانون جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، یہی ہے۔ اور بالکل ٹھیک یہی حالت قرآن مجید کے فکر و تدبر میں ایک طالب قرآن کو پیش آتی ہے۔ اگر ایک شخص قرآن مجید سے حجت کرنا چاہے، اور یہ حوصلے کرے کہ اس کی دلیلوں سے لڑائی لڑے گا اور اس کی نصیحتوں سے جھگڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر قرآنی ہدایت کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسا ہے جو کسی شک و شبہ کی خلش سے بے چین ہے اور چاہتا ہے کہ قرآن اس کے شبہات دور کر دے، تو قرآن اس کی رہبری کرتا ہے، اور آہستہ آہستہ اس کو یقین و بصیرت کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔ اس معاملہ میں قرآن مجید کی روش ایک طبیب کی ہے، اگر کوئی طالب شفا اس کے پاس اس لئے آئے کہ اس کی بیماریاں دور ہو جائیں تو وہ چونکہ شفاء لما فی الصدور دل کے تمام روگوں اور بیماریوں کی دوا ہے، وہ اس کے لئے شفا پہنچاتا ہے، لیکن اگر کوئی مریض اس لئے آتا ہے کہ وہ طبیب کے مشوروں کو سننے اور سمجھنے کی بجائے اس سے معارضہ کرے گا، یا اس کی رایوں کو اپنی خواہشوں کے موافق بنانے کی کوشش کرے گا، تو اس کی بیماری دور ہونے کی جگہ بڑھتی اور گھٹنے کے بجائے زیادہ ہوتی ہے۔ فی قلوبہم مرض فزادہم اللہ مرضا، ولہم عذاب الیم، بما کانوا یکذبون۔

قرآن مجید اور صاحب وحی علیہ الف الف تحیۃ کے ابتدائی احوال اس حقیقت کو پوری طرح کھول دینے کے لئے بالکل کافی ہیں۔ نبوت سے قبل لیکن بعثت کے قریب آنحضرت صلعم کا کیا حال تھا، ایک گمراہ اور آوارہ دنیا کے اندر جس کے اوپر اور نیچے صرف تاریکی ہی تاریکی چھائی ہوئی تھی آپ ایک روشنی کے لئے بے قرار تھے۔ ایسی روشنی جو دنیا کے لئے ہدایت اور نجات کی بند راہوں کو کھول دے جو عقل و دل کی بصیرت کو جگمگا دے، جو شبہات کی تاریکیوں کو مٹا دے، اور اس کائنات کے معمہ کو

جس پر ہزارہا حجابات اور پردے پڑے ہوئے ہیں حل کر کے سمجھا دے۔ آپ کو اندرونی خلشوں اور باطنی وسوسوں نے یکسر درد بنا دیا تھا۔ آپ سراپا طلب و جستجو یکسر شوق و آرزو ہو کر بستی سے متنفر اور آبادی سے بیزار ہو گئے تھے۔ ایک صحرا کے اندر، ایک پہاڑ کے غار میں معتکف ہو کر منتظر تھے کہ کسی طرح یہ سامنے کے پردے چاک ہوں اور حقیقت منتظر جلوہ آرا ہو۔ طلب و جستجو کی یہ نیازمندی اور شوق و آرزو کی یہ فروتنی اور پھر تفکر و تدبر کی یہ خلوت گزینی اور غار نشینی تھی جب اقرا کا پیام آیا اور خدا نے ایک سرتاپا نیاز انسان کو اٹھایا اور اس پر احسان فرمایا کہ "ووجدک ضالا فہدی" (ہم نے تم کو تلاش حقیقت میں سرگرداں پایا تو ہدایت بخشی)

پس طالب قرآن کی ابتدا اور انتہا، دونوں طلب و جستجو اور عجز و فروتنی ہے۔ بے نیازی، استکبار اور معارضہ کے ساتھ اس راہ کی ایک منزل بھی طے نہیں ہو سکتی۔ قرآن کی طرف آدمی کا قدم اس لئے اٹھنا چاہیے کہ اس کو حقیقت کی طلب ہے اور جب تک حقیقت نہ مل جائے طالب کو چاہیے کہ وہ قرآن کے اندر معتکف رہے۔ اور فکر و تدبر کا جہاد جاری رکھے۔ شبہات کتنے ہی اہم ہوں اور مشکلات کتنی ہی کٹھن، ایک لمحہ کے لئے بھی مایوس نہ ہو۔ جو شخص خلوص نیت کے ساتھ طلب علم اور جستجوئے رشد و ہدایت کی راہ میں جہاد کر رہا ہے، اس کی کامیابی یقینی ہے۔ "والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبلنا" اس کے اطمینان و بصیرت کے لئے خدائے کارساز و کریم دشوار کو سہل بلکہ ناممکن کو ممکن کر دے گا اور اس کو ہدایت و ایمان کی غذا اس گوشہ سے ملے گی جس گوشہ سے اس کو کبھی وہم و گمان بھی نہ گذرا ہو گا۔ یرزقہ من حیث لا یحتسب

اور پھر اگر قرآن پر آدمی ثابت قدم رہے تو وہ نعمت عظمیٰ جس کو ہم نے شرح صدر سے تعبیر کیا ہے اور جس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواہش کی تھی، وہ بھی اس کو ملتی ہے، چنانچہ قرآنی تعلیمات کے ظہور و کمال کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم سے فرمایا: الم نشرح لک صدرک

کیا ہم نے تمہارے سینہ کو کھول نہیں دیا۔

اس سلسلہ کی ایک نہایت لطیف حقیقت سورہ مجادلہ میں بھی بیان ہوئی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے دو جماعتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک جماعت کا حال یہ ہے کہ جب دینی احوال و معاملات میں اس کو کوئی مشکل، دشواری، شبہہ یا روکاوٹ پیش آتی ہے تو خدا سے مجادلہ اور رسول سے شکوہ کرتی ہے۔ مجادلہ عربی زبان میں اس اصرار و الحاح کو بھی کہتے ہیں جس کی بنیاد محبت، اعتماد اور خلوص پر ہو یعنی وہ خدا و رسول پر اعتراض یا نکتہ چینی نہیں کرتی اور نہ قرآن و حدیث کا مذاق اڑاتی بلکہ اپنے شبہات و شکوک، محبت و اعتماد کے ساتھ عرض کرتی ہے، اور ان کا حل چاہتی ہے۔ اور دوسری جماعت وہ ہے جس کی خصوصیت محادّہ ہے۔ محادّہ کے معنی اختلاف کے ہیں۔ یعنی اس کی اصلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ خدا اور رسول کی مخالفت، اور ان کی باتوں پر طرح طرح کی نکتہ چینیاں اور قسم قسم کے شبہات وارد کرے۔ پہلی جماعت کی نمائندہ ایک عورت ہے، جو ایک مخصوص دینی معاملہ کی وجہ سے سخت کشمکش میں پڑ گئی ہے۔ لیکن بجائے اسکے کہ وہ اس کشمکش کو مذہب پر زبان درازی کا بہانہ بنائے، اپنی مشکل کو نہایت لجاجت اور عاجزی کے ساتھ خدا و رسول کے حضور میں عرض کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی عرض کو سنتا ہے اور اس کی مشکل کو دور کر دیتا ہے۔ "قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجہا و تشتکی الی اللہ، واللہ یسمع تحاورکما، ان اللہ سمیع بصیر۔" دوسری جماعت منافقین کی ہے ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس گھات میں رہتے ہیں کہ کوئی موقع اعتراض اور نکتہ چینی کا پائیں اور اس کو لے اڑیں۔ ان کی نسبت فرمایا۔ ان الذین یحادون اللہ و رسولہ کبتوا کما کبت الذین من قبلہم وقد انزلنا بینات وللکفرین عذاب مہین۔ سورہ مجادلہ کے اندر ان دونوں جماعتوں کا ذکر دو متقابل جماعتوں کی حیثیت سے آیا ہے اور اس کا مقصود محض لوگوں کو اس بات کی تعلیم دینا ہے کہ خدا اور رسول کے ساتھ معاملہ کرنے کا طریقہ عرض و معروض اور شکوہ

تا ہے۔ نہ کہ محادہ اور مشاقہ۔ پس خدا کے دین یا اس کی کتاب میں اگر کوئی مشکل پیش آئے تو اس کی راہ صرف یہی ہے کہ اس کو خدا ہی کے سامنے پیش کرے اور اسی سے تسلی و تشفی اور فتح باب کا متمنی ہو۔ یہ نہ کرے کہ بحث کو ذریعہ اعتراض و نکتہ چینی بنا کر ایک نیا دین گھڑ کر دے، یا تراش خراش کر اپنی خواہشوں کے سانچے میں ڈھال لے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان پر قرآن کی راہ کبھی نہیں کھلتی۔ وہ یا تو کتاب الٰہی پر نکتہ چینی کرتے کرتے اس سے اس قدر بعید ہو جاتے ہیں کہ پھر اسکی طرف لوٹنے کا ان کے لئے امکان ہی نہیں باقی رہ جاتا۔ یا قرآنی آیات کی تراش خراش کے معاملہ میں اس قدر چابکدست ہو جاتے ہیں کہ آہستہ آہستہ قرآن کی ہر بات کو اپنی خواہشوں کا جامہ پہنا دیتے ہیں۔ اور ان پر بالکل وہ حالت طاری ہو جاتی ہے جو یہود پر طاری ہو چکی تھی۔ "ومنہم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانی"

قرآن مجید ایک اعلیٰ کلام ہے

"جو لوگ قرآن کو ایک معمولی کلام خیال کرتے ہیں، اور اپنی لیاقت کو جتنی ہے، اس سے زیادہ سمجھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ فہم قرآن کے لئے کافی ہے، وہ قرآن کے معنی سے بالکل محروم رہتے ہیں ان میں سے بعض اپنی کج فہمی کا نام اعتراض رکھتے ہیں۔ دوسرے مذاہب والے جو قرآن کو کچھ تھوڑا بہت سمجھتے ہیں، وہ خود گواہی دیتے ہیں کہ اس کو سمجھنے کے لئے یہ پہلا امر ہے کہ اسے ایک اعلیٰ کلام مانا جاوے۔

قرآن پاک نے اپنی نسبت مختلف جگہ یہی کہا ہے کہ انکار کرنے والا اس کو ہرگز نہیں سمجھے گا۔"

(فراہیؒ)

مذاکرہ

نظر بر استدراک

(از جناب چودھری غلام احمد پرویز بی۔ اے)

الاصلاح بابت اپریل میں میرا مضمون بعنوان نجات شائع ہوا۔ جس پر مدیر الاصلاح کا یہ نوٹ دیکھکر کہ وہ اس کے اختلافی مقامات کے متعلق آیندہ پرچہ میں اپنی تصریحات درج فرمائیں گے مجھے خوشی ہوئی کہ ایک ایسے نظریئے کے متعلق، جسے میں سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلی مرتبہ میں نے ہی پیش کیا ہے (یعنی نجات کا ارتقائی تخیل) مجھے معلوم ہوسکے گا کہ قرآن کریم کا صحیح مفہوم سمجھنے میں میں کہاں کہاں قاصر رہا ہوں۔ لیکن جب مئی اور جون کے پرچوں میں مولوی اختر احسن صاحب کا استدراک دیکھا تو میں بھی ایسا ہی مایوس ہوا جیسے خود مدیر الاصلاح اور غالباً الاصلاح کے اور پڑھنے والے۔ مدیر الاصلاح نے تو اپنی مایوسی کو اختصار اور ابہام کے تبسم میں چھپانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہر صاحب نظر کے سامنے بے نقاب ہو کہ استدراک یا تو محض اس غرض سے لکھا گیا ہے کہ میرے مضمون کے خلاف کچھ نہ کچھ لکھنا ضروری تھا یا مولوی صاحب جو کچھ کہنا چاہتے تھے وہ کہہ نہیں سکے۔ بہرحال ان کی تحریر میں کچھ ایسا الجھاؤ ہے کہ ان کا مفہوم سامنے آتا ہی نہیں۔ استدراک میں کسی اصولی بات سے بحث ہی نہیں کی گئی اس لئے اس کے جواب میں مجھے کچھ لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن اس میں دو ایک باتیں ایسی آگئی ہیں کہ ان کے جواب میں ــ اگر خاموش بنشینم گناہ است۔ لہذا یہ چند سطور توضیحاً لکھ رہا ہوں۔

میرے مضمون کا مدعا یہ ہے کہ قرآن کریم کی رو سے یہ کہیں ثابت نہیں کہ کوئی شخص جہنم میں داخل

ہونے کے بعد پھر اس سے نکالکر جنت میں بھیجا جائے گا۔ اور اس کو میں نے قرآن کریم کی روشنی میں عین اصول فطرت کے مطابق دکھانے کی کوشش کی ہے۔ اسی لئے میں نے کہا تھا کہ اس قسم کی نجات کا تخیل جس کی رو سے جہنم کے عذاب میں داخل ہوکر پھر اس سے رہائی ملنے کی طرف ذہن منتقل ہو، یکسر غیر قرآنی ہے۔ اس کے علاوہ، دنیاوی مصائب میں گرفتار ہوکر ان سے آزادی ملنے کے لئے، یا عذاب دوزخ سے (بغیر اس میں داخل ہوئے) محفوظ رہنے کے لئے، نجات کے لفظ کے استعمال کے لئے مجھے کوئی اعتراض نہ تھا۔ اور یہ میرے مضمون سے بالکل واضح تھا۔

لیکن مولوی صاحب نے باوجود اختصار کے عادی ہونے کے، پانچ چھ صفحے اس بات کے ثابت کرنے میں صرف کردیئے کہ نجات کا لفظ مصائب دنیاوی سے بچنے، یا عذاب جہنم سے (بغیر اس میں داخل ہوئے) محفوظ رہنے کے لئے اگر استعمال کیا جائے تو یہ مفہوم غیر قرآنی نہیں ہے۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ مولوی صاحب نے اتنا کچھ لکھکر میری کس غلطی کو واضح کیا۔ اس کا تو مجھے پہلے ہی اقرار ہے۔ پھر اس سے ثابت کیا ہوا۔ یا تو مولوی صاحب نے (معاف فرمائیے) میرا مضمون سمجھا ہی نہیں، یا جو کچھ وہ کہنا چاہتے تھے وہ کہہ نہیں سکے۔

دوسرا اعتراض اس آیت کے مفہوم کے متعلق ہے۔ "وان منکم الا واردھا کان علیٰ ربک حتما مقضیا ثم ننجی الذین اتقوا و نذر الظالمین فیھا جثیا"۔ اس کے متعلق انھوں نے فرمایا ہے کہ ورود کے معنی دخول کے ہیں۔ اور میں نے جو اس کے معنی "اوپر سے گذرنے" کے لئے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہیں۔ لیکن میں یہ گذارش کروں گا کہ یہ معنی میں نے وضع نہیں کئے بلکہ یہ معنی شاہ رفیع الدینؒ نے اپنے ترجمے میں کئے ہیں۔ اور پھر ورود بمعنی قرب خود مولوی صاحب نے بھی قرآن کریم سے ثابت کیا ہے تو اب معلوم نہیں میں نے کونسا جرم کردیا۔ حیرت ہے کہ اگر کوئی شخص اسلاف کے متعین کردہ معانی کے خلاف لب کشائی کرے تو جرم۔ اور اگر انہی کے معانی استعمال کرے تو جرم۔ غرض دوگونہ عذاب است جان مجنون را۔

استدراک کے اس حصہ میں بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ مولوی صاحب کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اولاً تو آپ فرماتے ہیں کہ "ہمارے نزدیک اس آیت کو اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔" معاملہ صاف ہو گیا۔ میں نے تو اس آیت کو اس لئے نقل کر دیا تھا کہ کوئی صاحب اس سے دخول جہنم کے بعد نجات کا مفہوم نہ اخذ کرلیں۔ اب جب آپکے نزدیک اس آیت کا اس مضمون سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے تو اس کو موضِ بحث میں لانیکی کیا ضرورت۔

پھر ارشاد ہے کہ میری تاویل "عین اس حدیث کے مطابق ہے جس میں پل صراط کا ذکر ہے۔" میرا خیال تھا کہ مولوی صاحب کیلئے میری تاویل کی حجت کی سند اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ایک حدیث کے عین مطابق ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات حدیث کی حجیت کے بھی اسیوقت تک قائل ہیں جب تک وہ اپنے مزعومہ عقیدہ کے مطابق ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "لیکن آیت کے الفاظ پر غور کر کے دیکھنا چاہئے کہ آیت کی یہ تاویل ہو بھی سکتی ہے یا نہیں۔" اور پھر دو تین صفحات کے اندر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ تاویل غلط ہے۔ یہ لکھتے وقت مولوی صاحب نے شاید اتنا نہیں سوچا کہ۔ تیرے نشتر کی زد شریان قیس ناتواں تک ہے۔ آپ پرویز کی تاویل کی مخالفت کرتے کرتے خود حدیث کی مخالفت کر گئے ہیں۔

یہ نادان کی دوستی نہیں تو اور کیا ہے۔

اور یہ بھی تماشا ہے کہ اس آیت کی صحیح تاویل بھی آپ بیان نہیں فرماتے۔ حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ جب ورود کے معنی قرب کے بھی ہیں۔ اور یہ معنی لینے میں قرآن کریم کی دیگر آیات بینات کی تائید ہوتی ہے۔ تو پھر دوسرے معنی کیوں لئے جائیں۔ جنکی وجہ سے نہ صرف دوسری آیات کی ہی مخالفت ہوتی ہو بلکہ ایسے اشکال سامنے آجائیں جنکا حل مشکل ہو جائے۔ اور مقصد پھر بھی کچھ حاصل نہیں آپ فرماتے ہیں کہ قرب کے معنی لینے میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ دوسری جگہ جو ہے کہ جنتیوں کو دوزخ سے بہت دور رکھا جائیگا۔ اور ان کو اس کی آواز بھی سنائی نہ دیگی۔ تو ان دونوں میں تضاد واقع ہو جائے گا۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ

جب ورود کے معنی دخول کے لئے جائیں تو کیا پھر یہی تضاد نہ ہو جائے گا؟ یہ تو اور بھی شدت کا تضاد ہو گا۔ اور پھر اس کا کیا جواب ہو گا کہ قرآن کریم میں تو اہل جنت اور اہل جہنم کا باہمی مکالمہ بھی موجود ہے۔ بہر حال اس آیت سے مولوی صاحب نے ثابت ہی نہیں کیا کہ دوزخ کا عذاب بھگتنے کے بعد لوگ جنت میں بھیجے جائیں گے۔ اور یہی میرا دعویٰ ہے کہ قرآن کریم سے ایسا ثابت نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے یہ بات ثابت کی ہے کہ خلود جہنم کفر و شرک سے ہو گا۔ کیونکہ حبط اعمال صرف کفر و شرک سے ہی ہوتا ہے۔ جس میں ایمان ہو گا اس کے لئے حبط اعمال نہیں ہے۔ لہذا جب اس کے تمام اعمال غارت نہیں ہوں گے تو ان کی جزا کے لئے دوزخ سے نکال کر جنت میں لے جانا ضروری ہو گا۔

غنیمت ہے کہ مولوی صاحب نے اتنا تو مان لیا کہ کفر و شرک کے لئے خلود جہنم ہو گا۔ اور اس گروہ اہل سنت والجماعت کا مذہب بیان فرماتے ہیں۔ لیکن اگر کسی اہل سنت والجماعت نے کہدیا کہ نا صاحب۔ ہمارا تو یہ مذہب ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ فرشتے دوزخ کے دروازے کھٹکھٹائیں گے اور اسمیں کوئی موجود نہ ہو گا۔ (یعنی دوزخ موجود ہو گا اور اس کے اندر کوئی نہ ہو گا۔) تو پتہ نہیں آپ اس کا کیا جواب دیں گے۔

لیکن مولوی صاحب نے جو صغریٰ و کبریٰ قائم کیا ہے وہ از خود غلط ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ

خلود جہنم حبط اعمال سے ہو گا۔

اور حبط اعمال ہوتا ہے کفر و شرک سے

اس لئے

خلود جہنم صرف مشرک کافر کے لئے ہی ہے

اور چونکہ مومن کے لئے حبط اعمال نہیں۔ اس لئے اس کے لئے خلود جہنم نہیں

لیکن قرآن کریم میں تو یہ بھی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا — اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت بلند کرو آواز اپنی کو

اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ	اور آواز نبی کے۔ اور مت آواز بلند کرو اور اس کے آگے
وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ	بول کے جیسا بلند کرتے ہیں جیسے تمہارے واسطے بعض
بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ	ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں۔ اور
وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (۴۹:۲)	تم کو خبر بھی نہ ہو۔

یہاں خطاب اہل ایمان سے ہے اور حبط اعمال کفر و شرک سے نہیں بلکہ نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند کرنے سے ہے۔ اور جب خلود جہنم حبط اعمال سے ہی ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے مسلمانوں کے لئے بھی خلود جہنم ہوگا۔ لیجئے، مولوی صاحب کی تمام خود ساختہ عمارت دھڑام سے گر پڑی۔ اس لئے کہ اس کی بنیادیں بکسر قیاس آرائی پر تھیں، قرآن کریم پر نہ تھیں۔

پھر ایک اور دلچسپ صغریٰ کبریٰ قائم فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے کہ چونکہ خدا کا یہ قانون صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے کہ "من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہٗ"۔ تو سزا کا ہونا ضروری ہے۔ اور پھر خود ہی لکھتے ہیں کہ "البتہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہر گناہ کی سزا ہونی چاہئے"۔ اللہ اکبر! ایک طرف تو خدا کا یہ قانون ایسا اٹل ہو کہ ذرہ برابر برائی کی بھی سزا ہو۔ اور دوسری طرف مولوی صاحب کا قیاس۔ ملاحظہ ہو کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر گناہ کی سزا ہونی چاہئے۔ یہاں پھر مولوی صاحب الجھن میں پھنس گئے۔ قرآن کریم کی رو سے جو سمجھ سکا یہی ہے کہ جن لوگوں کو جنتی زندگی کا مستحق سمجھا جائے گا ان کی لغزشیں معاف کر دی جائیں گی۔ دیکھو (ضمیمہ سیاتم) اور جن کو جہنم کی زندگی کے لائق سمجھا جائے گا، ان کے لئے حبط اعمال ہوگا اسلئے کہ جنت دوزخ میں جانیکا معیار ثقل و خفت موازنہ ہے۔ اور یہ وہ آیت ہے جسے مولوی صاحبنے چھوا تک نہیں۔

پھر یہ بھی غلطی ہے کہ مولوی صاحب دخول جہنم اور خلود جہنم میں فرق سمجھ رہے ہیں۔ اور خلود جہنم والوں کا الگ ذکر فرماتے ہیں۔ حالانکہ میں نے اپنے مضمون میں ثابت کیا ہے کہ تنہا خلود (خالدین فیہا) کے معنی۔ بغیر خالدین فیہا ابداً کے۔ بھی "ہمیشگی" اور "خلود" کے ہیں۔ اسکی طرف بھی مولوی صاحبنے توجہ نہیں

فرمائی۔

مولوی صاحب کو اعراف کی تیسری جماعت پر بھی اعتراض ہے۔ حالانکہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جنکی نیکیوں اور برائیوں کے پلڑے مساوی ہوں گے جن کی قسمت کا فیصلہ میزان نے نہیں کیا، ان کا معاملہ زیر غور ہوگا۔ اور خدا کی رحمت سے توقع ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے۔ پتہ نہیں اس مقام پر مولوی صاحب اسکا ذکر بالکل بے محل کیوں لے آگئے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کی ذہنیت کو بے نقاب کرنا چاہتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے ایسی ہی باتیں لکھنے میں آتی ہیں۔ اب آخر میں مولوی صاحب کی قرآن فہمی کی بھی ایک مثال دیکھتے جایئے۔ یہ حضرات دوسروں کو مطعون کرتے رہتے ہیں کہ انھیں قرآن کے اصولوں سے واقفیت نہیں اس لئے یہ غلطیاں کرتے ہیں۔ لیکن اگر اصول قرآن سے واقفیت کے بعد قرآن ایسا ہی سمجھ میں آتا ہو تو اس سے تو وہ ناواقفیت اچھی جس سے صحیح قرآن سمجھ میں آجائے۔ میں نے لکھا تھا کہ بچوں کا ذکر جنت میں نہیں ہے۔ کیونکہ جنت اعمال کی وراثت ہے۔ آپنے اس کے خلاف یہ آیت نقل فرمائی ہے۔ "والذین آمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم وما التناھم من عملھم من شیٔ"۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بچے جنت میں ضرور جائیں گے۔ اول تو اس آیت میں انھوں نے ذریت کے معنی اولاد لکھے ہیں۔ حالانکہ ذریت کے معنی اولاد۔ اور اولاد در اولاد ہے۔ پھر آیت میں اس ذریت کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ایمان لائے ہیں۔ انھوں نے اتباع کی ہے۔ اور یہ کہ ان کے اعمال میں اللہ کمی نہ کرے گا۔ اس سے نابالغ غیر مکلف بچے کسطرح مراد لئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اس سے عجیب تر ایک اور استدلال ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں کہ "بہشت میں جو آرزو کی جائے گی پوری ہوگی۔۔۔۔۔ اس لئے اللہ تعالیٰ مومنین کی اس آرزو کو کہ ان کی اولاد ان کے ساتھ کر دی جائے۔ انکی تکمیل مسرت کیلئے پوری کر دے گا۔" کیا عمدہ استدلال ہے۔ اور اگر کسی کی وہاں یہ آرزو ہو کہ اس کے فلاں دوست یا اسکی بیوی کو تکمیل مسرت کے لئے اس کے ساتھ کر دیا جائے۔ تو ان سب کو دوزخ سے نکال کر جنت میں بھیج

جائے گا، یہ دستہ بڑا عمدہ رہا۔ ایک شخص جنت میں چلا گیا، اور اس نے کلہ بھر کر وہاں بلا بھیجا۔ کہ اس کی تکمیل مسرت اس سے ہوگی۔

اس کا نام یہ حضرات رکھتے ہیں اصولِ دلالت قرآن!

اخیر میں مولوی صاحب نے یہ آیت نقل فرمائی ہے" انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم..... اور ما تعبدون کا ترجمہ کیا ہے" تمہارے اصنام" محض اسلئے کہ وقودہا الناس والحجارہ میں جو حجارہ ہے انھوں نے اصنام مراد لئے ہیں۔ اس کی تائید ہو جائے۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ ما تعبدون اس سے کہیں زیادہ وسیع تر ہے۔ دوزخ میں جو متبوعین اور متبعین کے باہمی جھگڑے ہیں۔ وہ کیا سب پتھر کے بتوں سے ہی ہوں گے!

میں نے شروع میں جو عرض کیا ہے کہ یہ استدراک محض اس لئے لکھا گیا ہے کہ ایک ایسے مضمون کے خلاف جس میں خلودِ جہنم کا ثبوت دیا گیا ہو، کچھ نہ کچھ لکھنا ضروری تھا۔ وہ تصریحات بالا سے ظاہر ہے۔ ورنہ مولوی صاحب نے خود اقرار کیا ہے کہ

" یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم میں کوئی ایسی صریح آیت نہیں ہے جس سے سزا کے بعد جنت میں داخل ہونا ثابت ہو" اور یہی میرا دعویٰ تھا۔

میں ان حضرات کی خدمت میں باادب گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے ہر چند اصول دلالت، نظم و ربط و ضبط سب ضروری ہیں۔ لیکن ان سب سے مقدم ایک اور شے ہے اور وہ یہ کہ ذہن کو ان عقائد سے پہلے خالی کر لیا جائے جو روایتی اور جماعتی مسلک کی شکل میں دماغ میں موجود ہوں۔ اس کے بعد قرآن کو کھولئے تو انشاءاللہ صحیح راہ مل جائے گی۔ مثلاً اسی مضمون کو لیجئے۔ مولوی صاحب اور ان کے رفقاء اسی کوشش میں رہے کہ خلودِ جہنم چونکہ ان کے روایتی (یا جماعتی) عقیدہ کے خلاف ہے۔ اس لئے اس کے خلاف کچھ نہ کچھ ضرور لکھا جائے، اور وہ حضرات جنھوں نے خالی الذہن ہو کر اس کا مطالعہ کیا انھوں نے اس حقیقت کو بے نقاب دیکھ لیا کہ قرآنی نجات کا نظریہ کس طرح عین اصول فطرت کے

مطابق اور انسان کے ارتقائی منازل طے کرنے کا نام ہے۔ میں نے اسی لئے محترمی مولوی امین احسن صاحب سے گذارش کیا تھا کہ وہ میرے اس مضمون کو نہ لیں[۵۱]۔ کیونکہ "ظلم گدڑھ اور اس کے متعلقات اس کے متحمل نہیں ہو سکیں گے۔ لیکن وہ اسے باصرار لے گئے اور خواہ مخواہ "دوگونہ عذاب" میں پھنس گئے۔

میں تو ابھی منتظر ہوں کہ کوئی صاحب قرآن کی رو سے میری غلطی کو واضح کر دیں۔ اگر وہ غلطی ہے تو۔ اور یہ نظریہ درست ہے۔ تو" ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا۔

---

۵۱ الاصلاح یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے۔ یہ مضمون مجھکو مولانا اسلم نے اس وقت عنایت فرمایا جب میں دہلی سے واپس ہو رہا تھا۔ سفر کی رواروی میں میں اس کو پورا پڑھ نہ سکا۔ یہاں آکر پڑھا تو مجھکو اس میں بعض غلطیاں نظر آئیں۔ میں نے پرویز صاحب کو اور غالباً مولانا اسلم صاحب کو بھی لکھا کہ مجھے اس مضمون کے بعض حصوں سے اختلاف ہے۔ اگر وہ اجازت دیں تو میں اس پر نوٹ لکھکر شائع کر دوں ورنہ مضمون واپس کر دوں، مولانا اسلم صاحب نے لکھا کہ مناسب یہ ہے کہ اس کو بعینہٖ شائع کر دو اور اپنی رائے علیحدہ مضمون میں ظاہر کر دو، مجھکو اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آئی اور یہی شکل اختیار کر لی گئی۔ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو صورت معاملہ یہی ہے۔ اور میں پورے اطمینان کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں کہ اس مضمون کی وجہ سے نہ تو "ظلم گدڑھ اور اس کے متعلقات" کو کوئی زحمت پیش آئی اور نہ میں کسی" دوگونہ رنج و عذاب" میں پھنسا۔ دنیا کا کارخانہ اپنے معمول کے مطابق چل رہا ہے۔ اور ہم سب ہمیشہ کی طرح پرویز صاحب کے اس مضمون کے بعد بھی بالکل خوش اور مطمئن ہیں۔

ہاں۔ پرویز صاحب کی اس تحریر کو پڑھنے کے بعد یہ محسوس کر کے ضرور تھوڑا سا رنج ہوا کہ مولوی اختر احسن صاحب کا مضمون ان کی آزردگی کا باعث بنا۔ اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان کو بالکل پہلی مرتبہ ایک نئی حالت سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ ان کی تحریریں اخباروں اور رسالوں میں چھپ جایا کرتی

تھیں، لوگ پڑھ لیتے تھے، وہ خوش ہو جایا کرتے تھے۔ اب تک تسوید و تحریر کی دنیا کا صرف یہی خوبصورت پہلو ان کے سامنے تھا۔ ان کو بالکل خبر نہیں تھی کہ اس دنیا کا ایک اور رخ بھی ہے جو دلکش اور دلفریب نہیں ہے بلکہ کس قدر بھیانک ہے اور وہی اس کا اصلی چہرہ ہے۔ اور ہر اس شخص کو جس نے قرطاس و قلم کا مشغلہ اختیار کیا ہو بالآخر اسی بھیانک چہرہ سے عشق کرنا پڑتا ہے۔ اس کا نام "نقد و تبصرہ" ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ یہی بھیانک چہرہ، بالکل پہلی مرتبہ ان کو مولوی اختر احسن صاحب کے مضمون میں دیکھنا پڑا، اور وہ اس کو دیکھکر بالکل گھبرا اٹھے۔ اور اسی گھبراہٹ کی حالت میں مضمون لکھنے بیٹھ گئے۔ حالانکہ دانشمندوں کا مشورہ یہ ہے کہ آدمی کو جب کبھی ایسی حالت پیش آجائے تو پہلے اپنی گم شدہ دلجمعی اور سکون قلب کو ڈھونڈھنے کی کوشش کرے۔ جب یہ چیز مل جائے تو معاملہ کی نوعیت پر بار بار غور کرے۔ اور پھر زبان کھولے۔ لیکن انھوں نے پرانے دانشمندوں کی اس حکمت پر عمل نہیں کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنی طبیعت کی ایک ایسی حالت بے نقاب کرنے پر مجبور ہو گئے کہ ہم کو افسوس اور ندامت ہے کہ اس کی "نقاب کشائی" کی رسم افتتاح کی ذمہ داری ہم نے اپنے سر کیوں لی!

مولوی اختر احسن صاحب کا مضمون مجمل سہی، لیکن سنجیدہ، ٹھوس، اور "طالب العلمانہ" تھا۔ اس میں ایک فقرہ بھی ایسا نہ تھا جس میں استخفاف و استہزا یا تحقیر کا کوئی شائبہ ہو۔ لیکن آپ اپنی اس تحریر گرامی کو ملاحظہ فرما کر سوچئے کہ مروجہ مضمون نگاری کی وہ کونسی بلاغت ہے جس کے اسراف سے آپ کہیں باز رہے ہیں! مولوی اختر احسن صاحب نے آپ کو نہایت شائستہ انداز میں آپ کی غلطیوں پر متنبہ کیا تھا، آپ ان کی غلطیوں پر ان کو متنبہ کر دیتے۔ بحث ختم تھی۔ ان تعریضات و کنایات اور ان ترانیوں کے بغیر کونسا کام بند تھا! اور اگر آپ حضرات کے نزدیک ان چیزوں کے بغیر مضمون نگاری کا فرض ادا نہیں ہوتا تو آخر کیوں فرض کر لیا گیا ہے کہ ہر شخص اس نازک ذمہ داری سے عہدہ برآ بھی ہو سکتا ہے!

تعجب ہے کہ آپ مولوی اختر احسن صاحب کا مضمون نہیں سمجھے۔ حالانکہ آپ چاہتے تو اس کو بآسانی سمجھ سکتے تھے۔ ہر چند صرف ایک شخص کو سمجھانے کے لئے، اور وہ بھی ایسا شخص جو آپ کی طرح سمجھتے ہوئے نہ سمجھنا چاہتا ہو، الاصلاح کے صفحات کو ضائع کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن ایک مرتبہ اور کوشش کی جائے گی کہ آپ سمجھ جائیں۔ لیکن خدارا ذرا قریب آئیے۔ آپ تو شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ پا گئے ہیں گویا معارف قرآن کی کوئی آسمانی کلید ہاتھ آگئی ہے جس کے بعد آپ کے کچھ کہنے سننے کا کسی کو کوئی حق ہی باقی نہیں رہ گیا ہے!

معاف کیجئے گا، آپ لوگوں نے اپنے طرز عمل سے ان مقدس مترجمین قرآن کی روحوں کو بڑی اذیت پہنچائی ہے۔ انھوں نے قرآن کے ترجمے اس لئے کئے تھے کہ جو مسلمان عربی سے ناواقف ہیں ان کے لئے اللہ کی کتاب سے فائدہ اٹھانے کی ایک راہ کھول دیں۔ انھیں کیا خبر تھی کہ ان کے بعد ایک ایسا زمانہ آئے گا، جس میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا جو انھیں ترجموں کو پاکر اجتہاد و تحقیق کی سند بنا دے گا۔ اور ابن تیمیہ و ابن قیم اور ابن جریر اور رازی سب اس کے سیلاب اجتہاد میں بہ جائینگے اگر اس فتنہ کی خبر انھیں ہوتی تو یقیناً نادانوں کے ہاتھوں میں وہ یہ تلوار نہ دیتے۔

ہمارے دوست یقین کریں کہ ہم نے ان کے قرآنی مضامین کو ہمیشہ قدر و عزت کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ اور ان کو عام لکھنے والوں میں ایک مستثنیٰ درجہ دیا ہے۔ لیکن بحث و مذاکرہ سے تو کسی کو بھی اپنے تئیں بالاتر نہیں خیال کرنا چاہئے۔ یہ تو طالب العلمانہ افہام و تفہیم ہے۔ ہم اگر کوئی بات نہیں سمجھے ہیں آپ سمجھا دیجئے۔ خفا ہو کر برا بھلا کہہ دینے سے تو کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا! آپ نے ہم لوگوں پر ادعائے علم و واقفیت کا بھی الزام لگایا ہے اور غصہ کی جھنجلاہٹ میں "جماعتی عصبیت" اور "رواقی مسلک" کے بھی الفاظ بول گئے ہیں۔ افسوس ہے کہ ان معاملات میں آپ لوگوں کو ہمارا حال معلوم نہیں ورنہ اپنے ان قیمتی لفظوں کو آپ اس بیدردی سے ضائع نہ کرتے۔ ادعائے علم و واقفیت

اولاً تو قرآن کے معاملہ میں کسی کو ہونا نہیں چاہئے کہ

در محفلے کہ خورشید اندر شمار ذرہ است　　خود را بزرگ دیدن شرط ادب نہ باشد

اور اگر ہو تو ان لوگوں کو ہو جنکو یہ جامہ زیب دے اس کیلئے اپنے قامت کی ناموزونی تو اسقدر نمایاں ہے کہ چھپائے نہیں چھپ سکتی۔

اپنی محرومی و تشنہ لبی کا تو یہ عالم ہے کہ مرحوم غالبؔ کہا تھا :

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ　　ہے یوں کہ مجھے درد تہ جام بہت ہے

ہم نے یہ شرم بھی اٹھا دی، تاہم ہنوز منتظر چشم التفات ساقی ہی رہے! اور یقین کیجئے کہ یہی نارسائی بخت ہے جس نے مجبور کیا کہ اس "روایتی مسلک" کو اختیار کر لینے کا ننگ گوارا کریں جس کے نام سے آپ لوگوں کو گھن آتی ہے۔ اور اس باب میں ہم کو ملامت کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔

بادشاہوں کی نظر میں لعل و گہر کی بھی کوئی قیمت نہیں ہوتی لیکن فقیر تو راہ میں پڑی ہوئی کوڑی بھی اٹھا لیتا ہے۔ گنگا اور جمنا کے کنارے بسنے والے کیا جانیں کہ صحرا کا تشنہ لب مسافر اپنی پیاس بجھانے کیلئے کیا کیا جتن کرتا ہے۔ جو سیمرغ کو شکار نہیں کر سکتے وہ کنجشک کے لئے دام بچھاتے ہیں اور اسی کو شکار کر کے خوش ہو لیتے ہیں۔ آپ لوگوں کی سی قسمت ہر شخص کہاں سے لائے؟ "ہما" کو "نہ پا کر اپنے کو کھو آنے کا حوصلہ کوئی معمولی عزم و ہمت کا کام ہے! پس ہم تہی دامنوں کی اس محرومی پر آپ لوگوں کو ہنسنا نہیں چاہئے، رحم کرنا چاہئے۔

"جماعتی عصبیت" کا الزام بھی محض آپ لوگوں کا حسن ظن کرمانہ ہے۔ یہاں تو صحرا کے تنہا درخت کا سا معاملہ ہے جس کے سایہ کے سوا کوئی اس کا رفیق نہیں۔ ہم جیسے بے نواؤں کو اپنی جماعت میں کون لے گا؟ اور لے گا تو کیا فائدہ اٹھائے گا۔

کسی نے مول نہ پوچھا دل شکستہ کا
کوئی خرید کے ٹوٹا پیالہ کیا کرتا

پرویز صاحب سے نہایت ادب سے گذارش ہے کہ وہ نکتہ چینی سے گھبرا نہ جایا کریں۔ گھبرانے سے مشکلیں حل نہیں ہوا کرتیں، خواجہ حافظ کی نصیحت ہے کہ

مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش

پس ان کو چاہئے کہ وہ مولوی اختر احسن صاحب کا مضمون دوبارہ سمجھکر پڑھیں۔ انشاءاللہ وہ ان کے لئے مفید ہوگا۔ ہم نے مولوی اختر احسن صاحب سے بھی درخواست کی ہے کہ وہ اپنے مضمون کے خاص خاص مباحث کی طرف مکرر توجہ دلا دیں۔ امید ہے کہ آئندہ نمبر میں ان کا مضمون شائع ہو سکے گا۔

تفسیر سورۂ کوثر (اردو)

استاذ امام علامہ حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں کوثر کی تحقیق خانہ کعبہ کی روحانی حقیقت اور نماز اور قربانی کے اسرار و حقائق پر مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس کی اصلی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ کتابت و طباعت جاذب نظر کاغذ عمدہ۔ تقطیع ۲۰×۲۶/۱۶ حجم ۱۲۳ صفحے　قیمت ۸؍

منیجر

نجات

از جناب خواجہ ابوالحسن صاحب محکمہ تعلیمات حکومت ہند، شملہ

"اس مضمون کے بعض دلائل سے ہم مطمئن نہیں ہیں لیکن ایک مسئلہ کی توضیح کے لئے دوسروں کے نقطۂ نظر کو پیش کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے یہ تحریر شائع کی جاتی ہے۔" (الاصلاح)

مسئلہ نجات پر "الاصلاح" کی گذشتہ اشاعتوں میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اور جس طریق پر یہ مسئلہ معرض بحث میں لایا گیا ہے۔ اس نے بجائے واضح کرنے کے اسے اور پیچیدہ کر دیا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اسے اس طرح صاف کر دیا جائے کہ پوری طرح ذہن نشین ہو جائے۔ میں بھی اس کے متعلق اپنی معلومات پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں ممکن ہے کہ اہل نظر اسے پسند فرمائیں۔

اس مسئلہ پر غور کرنے سے پیشتر ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ وہ کونسی باتیں ہیں جنکا اعتراف یا عمل ہمیں نجات دلا سکتا ہے اور وہ کون سی چیز ہے جس کا انکار ہمیں دوزخ کی طرف لے جائے گا۔ قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جس قدر رسول بھی نوع انسانی کی طرف مبعوث کئے ان کی رسالت کا مقصد وحید صرف یہی تھا کہ سب انسان خدا کی وحدانیت کا اعتراف کریں اور صرف اسی کی عبادت کریں۔ چنانچہ فرمایا:

(۱) وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۲۱/۲۵ — ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول بھی دنیا میں نہیں بھیجا مگر اس وحی کے ساتھ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو۔

(۲) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا — اور بلاشبہ ہم نے دنیا کی ہر قوم میں ایک پیغمبر مبعوث کیا

أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۱۶/۳۶ — جس کی تعلیم یہ تھی کہ اللہ کی عبادت کرو اور سرکش و شریر طاقتوں کے اغوا سے بچو

چونکہ خدا کی ہستی کا اعتقاد انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے اور فطرت انسانی روز ازل میں میثاق الست پر مہر بلیٰ ثبت کر چکی ہے اس لئے پیغمبروں کے ذریعہ بھی اسی میثاق کی تجدید کا مطالبہ کیا گیا اور کسی ایسی بات کا اقرار نہیں لیا گیا جو فطرت انسانی میں داخل نہ تھی۔ اب اگر انسان خدا کی وحدانیت کا اعتراف نہیں کرتا اور رسولوں کی تعلیم کے خلاف عمل پیرا ہوتا ہے تو وہ اپنی فطرت کے خلاف سرکشی کرتا ہے اور اپنا میثاق توڑ ڈالتا ہے۔ اب وہ انسانیت کے درجہ سے بہت نیچے گر گیا اور اس قابل نہیں رہا کہ جنت میں اس مخلوق کے ساتھ رہ سکے جس نے اپنی فطرت نہیں بدلی بلکہ اسے اس مخلوق کے پاس جگہ ملے گی جو اپنا فطری پیمان بھلا کر خدا سے بغاوت کر چکی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی صدائے فطرت کو لبیک کہتا ہے اور سرکشی کر کے اسے مسخ نہیں کرتا اور اللہ کے رسولوں کی دعوت پر کان دھرتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ نعائم اخروی کا مستحق ہو اور نجات حاصل کرے۔ اس ایک میثاق کے علاوہ کوئی اور عہد میثاق نہیں جو روز ازل میں اس سے لیا گیا ہو نہ کوئی اور اعتقاد ہے جو اس کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہو۔ اب اگر دنیا میں آکر اسے اور باتوں کا حکم دیا جاتا ہے اور وہ ان میں سے بعض کی یا اکثر کی خلاف ورزی کرتا ہے تو گو وہ نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے مگر اس نافرمانی سے وہ اپنی فطرت کو پامال نہیں کرتا۔ اسے مکدر و زنگ آلود کر دیتا ہے۔ اس کی پاداش میں جو سزا اسے ملے گی وہ اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق ہونی چاہئے تاکہ اس کے آئینہ فطرت کا زنگ دور ہو جائے اور اس کی فطرت اپنی اصلی حالت پر آ جائے۔

جہاں تک میرا علم ناقص ہے قرآن سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ اعمال صالحہ ایمان کی تقویت کا باعث ہوتے ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی پختگی اعمال کی قبولیت کا سبب ہوتی ہے اور

انسان کی روحانی ترقی اور اس کا ذہنی و فکری نشو نما اس کی ایمانی حالت پر موقوف ہے۔ اگر اس کا ایمان درست نہیں تو اس کا کوئی عمل بھی مقبول نہیں۔ خود انبیا کرام کی نسبت سورہ انعام میں کہا گیا ہے کہ۔ "لو اشرکوا لحبط عنھم ما کانوا یعملون" برعکس اس کے کہ اگر اس کی ساری عمر بد اعمالیوں میں گذری مگر آخری لمحات حیات میں، ایک لمحہ سچے ایمان کا مل گیا تو اس کی ساری سابقہ بدعملیوں کی تلافی ہوگئی۔ ساحران فرعون کی ساری عمر کفر و بدعملی میں گذری مگر ایک لمحے کے سچے ایمان نے انھیں نہ صرف جنت کا حقدار بنا دیا بلکہ ان کا تزکیہ نفس کر کے انھیں بلند مقامات پر پہنچا دیا۔ چنانچہ ساحران فرعون کے واقعہ کے بعد ہی فرمایا ہے "من یاتہ مومناً قد عمل الصالحٰت فاولٰئک لھم الدرجات العلیٰ جنّٰت عدن تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا و ذٰلک جزاء من تزکّٰی" (طٰہٰ)

اسی طرح سورہ یٰسین میں ایک بستی کی مثال بیان فرمائی جہاں اللہ کے رسول بھیجے گئے مگر بستی والوں نے ان کی دعوت قبول نہ کی۔ صرف ایک آدمی ایمان لایا اور ایمان لانے کی وجہ سے مار ڈالا گیا مرنے کے ساتھ ہی اسے جنت کی بشارت مل جاتی ہے "قیل ادخل الجنۃ قال یالیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین" یہ ظاہر ہے کہ وہ آدمی ایمان لانے سے پیشتر کافر تھا۔ اس کی ساری عمر بدعملیوں میں گذری مگر ایمان لانے کے ساتھ ہی وہ تمام معاصی سے پاک و صاف ہوگیا۔

مندرجہ بالا تصریحات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ دراصل ایمان ہی نجات کا موجب ہے۔ اگر ایمان کے ساتھ اچھے اعمال ہیں تو انسان کو جلد نجات مل جائیگی۔ اگر برے ہیں تو وہ اپنے اعمال بد کی سزا پائے گا اسکی وجہ سے اس کی نجات میں تاخیر ہو جائے گی مگر نجات سے محروم نہیں رہے گا اور یہی حقیقت حدیث نبوی میں بیان کی گئی ہے "یخرج من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان" (ترمذی) اسی سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ کم عمر مسلمان بچے بھی ضرور نجات پائیں گے۔ چونکہ وہ اپنی فطرت صالحہ پر جو روز ازل میں خدا کی ہستی کا اقرار کر چکی ہے، دنیا سے گئے ہیں اس لئے وہ مومن تصور کر لئے جائیں گے

اگر انھیں اعمال صالحہ کا موقع نہیں ملا تو نہ سہی، اس سے ان کی فطرت میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوئی۔ وہ بدستور اپنی اصلی حالت پر قائم رہی۔ رسول اللہ کے اس ارشاد سے بھی کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ بعد میں لوگ اسے یہودی، نصرانی بنا لیتے ہیں اسی خیال کی تائید ہوتی ہے۔

الغرض جمہور اہل اسلام کا یہ اعتقاد کہ ہر مومن کے لئے بالآخر نجات ہوگی خواہ وہ بدعمل ہی کیوں نہ ہو قرآن حکیم و سنت نبوی کی تصریحات پر مبنی ہے۔ اور اس سے انکار یا اعراض اہل حق کا شیوہ نہیں۔ فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولٰئک الذین ھداھم اللہ و اولٰئک ھم اولوا الالباب

تفسیر سورہ لہب (اردو)

استاذ امام علامہ حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورۃ اللہب کا اردو ترجمہ ہے اس میں اس عام خیال کی مدلل تردید کیگئی ہے کہ یہ سورہ بدعا ہے۔ ابولہب اور اس کی بیوی کے وجوہ ذکر نہایت اثر انگیز ہیں۔ اس تفسیر کی اصلی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ کتابت و طباعت بہترین۔ کاغذ نہایت عمدہ۔ حجم ۴۸ صفحے۔ قیمت: -۶ر

منیجر

ادبیات

غزل

از

جناب مولانا کیفی چریا کوٹی

سوداغ تمناؤں کے، ہم کھائے ہوئے ہیں
گل، جتنے ہیں اس باغ میں، مرجھائے ہوئے ہیں

شرمندہ ہوں میں اپنی دعاؤں کے اثر سے
وہ آج پریشان ہیں گھبرائے ہوئے ہیں

خودداری گیسو کا ہے اس رخ پہ یہ عالم
جھکنا جو پڑا ان کو تو بل کھائے ہوئے ہیں

اب تم بھی ذرا حسن جہاں سوز کو روکو
ہم تو دل بے تاب کو سمجھائے ہوئے ہیں

اے دست کرم، پھینک دے کونین کو ہمیں
دامن کو ترے سامنے پھیلائے ہوئے ہیں

کچھ ذوق تماشا بھی ہے، کچھ حسن نظر بھی
دل ہاتھ میں وہ دیکھ کے للچائے ہوئے ہیں

اب اپنی جبیں پھوڑیں گے در پر ترے محتاج
برباد ہیں تقدیر کے ٹھکرائے ہوئے ہیں

حیران ہیں کس شکل سے ہم سامنے جائیں
ہنگام قیامت ہے وہ جھلائے ہوئے ہیں

پینا ہے ہمیں زہر الم آج طبیبو!
ہٹ جاؤ کہ مرنے کی قسم کھائے ہوئے ہیں

آتا ہے بڑھا بحر کرم جوش میں کیفی،
ہم اپنے گناہوں پہ جو شرمائے ہوئے ہیں

تلخیصات

موجودہ دنیائے سیاست کے عناصر اربعہ

مسولینی۔ ہٹلر۔ اسٹالین۔ اتاترک

حالات وخصوصیات کی حیرت انگیز یکسانی

جو لوگ اخبارات و رسائل پڑھتے ہیں اور موجودہ زمانہ کے حالات سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتے ہیں، ان کے دل میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہوگا کہ مسولینی، ہٹلر، اسٹالین اور اتاترک اس فرمانروائی بلکہ مطلق العنانی کے درجہ تک کیسے پہنچ گئے۔ کیا ان کے اندر کوئی غیر معمولی طاقت مخفی ہے؟ ان کو کوئی غیبی امداد حاصل ہے؟ حسن خلق، فہم و تدبر اور اصابت رائے میں وہ کوئی مافوق العادۃ جوہر رکھتے ہیں؟ ذاتی وجاہت اور خاندانی شرافت کی کوئی نمایاں برتری ان کو حاصل ہے؟ آخر کیا بات ہے کہ وہ چشم زدن میں ترقی کر کے آسمان پر پہنچ گئے؟ یہ کوئی جادو تو نہیں ہے؟

ہمارے لئے ان سوالوں کا جواب دینا مشکل ہے البتہ اتنا ہم ضرور کر سکتے ہیں کہ ان تمام خصوصیات کو، جہاں تک معلوم ہو سکیں، یکجا کردیں، جو ان حکمرانوں کے درمیان مشترک طور پر پائی جاتی ہیں تاکہ ناظرین خود کسی صحیح فیصلہ تک پہونچنے کی کوشش کریں۔

ان حکمرانوں کی ملک گیری اور سیاسی ترقی کے حالات ہی نہ صرف یکساں طرح کے ہیں

بلکہ ان کی مرز بوم، طریق، رہائش، ابتدائی نشو و نما، تعلیم و تربیت، خانگی زندگی اور روزمرہ کے مشاغل بھی ایک ہی قسم کے ہیں۔ سب ایسے باپوں کے فرزند ہیں جو بالکل ٹھیٹ دیہاتی تھے۔ زراعت، مویشیوں کی پرورش، اور دوسری دیہاتی صنعتیں ان کا محبوب پیشہ تھیں۔ علم سے بے بہرہ، مال و دولت سے محروم بالکل اجڈ و گنوار تھے۔ علمی بے مائگی کی وجہ سے ان کے مزاج ٹیڑھے اور طبیعتیں سخت تھیں۔ مفلسی کی محنت و مشقت سے چور تھے۔ شب و روز کشادگی اور فراغت کے خواب دیکھتے اور ان کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ تلاش معاش کی دوڑ دھوپ میں ان کسانوں سے آگے نکل جائیں جو تمازت آفتاب اور جاڑے کی ٹھنڈ سے نڈھال ہیں۔

مسولینی اپنے باپ کے متعلق بیان کرتا ہے کہ "میرے باپ نے کبھی مدرسہ کا رخ نہیں دیکھا۔ دس برس کا ہوا تو اس کو پڑوس کے گاؤں میں ایک لوہار کی دوکان پر بٹھا دیا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد جب اسے لوہاری کے کاموں میں مہارت ہوگئی تو اس نے اپنی ذاتی دوکان کھول لی۔ اسی زمانہ میں اس نے اشتراکیوں سے ربط ضبط قائم کیا۔ اشتراکیوں کی باتیں غور و توجہ سے سنتا۔ ان سے مشورے کرتا اور ان کے خیالات کی گاؤں والوں میں تبلیغ کرتا۔ رفتہ رفتہ اس کے بہت سے ہم خیال پیدا ہوگئے اور ایک ایسی جماعت تیار ہوگئی جس نے پولیس کے عیش و آرام اور خواب خور کو تلخ کر دیا۔"

اس نے بڑی بے رحم طبیعت پائی تھی۔ مسولینی پر اس کی بے رحمیاں مشہور ہو گئی تھیں۔ اس نے کبھی مسولینی سے شفقت و نرمی کا برتاؤ نہ کیا۔ بات بات پر اپنی سنگدلی کا اظہار کرتا۔ مسولینی "اپنی آپ بیتی" میں لکھتا ہے کہ "میں جب کبھی لوہے کی دوکان میں بھٹی سے نکلتے ہوئے شراروں اور گرم لوہے سے اڑتی ہوئی چنگاریوں سے بچنے کے لئے اپنا چہرہ چھپاتا تو میرا باپ میری کوڑے سے خبر لیتا۔ اس زود کوب سے ڈر کر ایک شب میں، میں گھر سے نکل بھاگا یہ اس وقت کی بات ہے جب

میری عمر صرف سات برس کی تھی۔"

ایک اور واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسولینی کے باپ نے اس کی تربیت میں ہمیشہ خشونت اور سخت گیری سے کام لیا۔ ایک مرتبہ وہ مسولینی کے لئے ایک چھوٹا سا کھلونا لایا اور اس کو اس کے دوسرے ساتھیوں کے سامنے اس کے کھیلنے کا ڈھنگ بتانے لگا۔ دفعتاً ایک شوخ لڑکا مسولینی کے ہاتھ سے کھلونا چھین کر چلتا بنا۔ مسولینی رونے لگا اس کے باپ نے یہ ماجرا دیکھا تو اس کو بری طرح ڈانٹ بتائی کہ "تو اپنے دشمن سے ڈر گیا۔ کھلونا لیکر اسے کیوں جانے دیا۔ لڑکا ہو کر لڑکیوں کی طرح آنسو بہاتا ہے۔ تو نے اسے پکڑا کیوں نہیں طمانچہ کا جواب طمانچہ ہے اور گھونسے کا جواب گھونسے سے کیوں نہیں دیا؟" یہ کہکر اس نے اپنا سخت اور مضبوط ہاتھ اٹھایا اور مسولینی کے منہ پر زور سے ایک تھپڑ رسید کیا۔ مار کھا لینے کے بعد مسولینی نے بھی ایک چکنا پتھر اٹھا کر اپنے حریف کو دوڑایا کچھ دور جا کر اسے پالیا اور اس کے سر پر ایسا پتھر مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔

ہٹلر کا باپ بھی ایک مفلوک الحال دیہاتی تھا۔ تیرہ برس کے سن میں اسے پیٹ کی فکر دامنگیر ہو گئی۔ مجبوراً وطن کو خیرباد کہنا پڑا۔ روزگار کی تلاش میں پھرتا پھراتا ویانا پہنچا۔ جہاں اس نے جوتہ بنانے کا کام شروع کیا۔ لیکن صرف اسی صنعت پر قناعت اس کے لئے مشکل تھی۔ وہ محتاج اور تہی دست رہنا پسند نہ کرتا تھا۔ شب و روز اپنی حالت کے سدھارنے میں کوشاں رہتا۔ بڑی کوششوں سے ۲۳ برس کے بعد اسے چنگی خانہ میں ایک ملازمت ملی۔ اپنی زندگی کو مسرور بنانے میں اسے بڑی مشقتیں برداشت کرنی پڑی تھیں۔ اس نے تین شادیاں کیں۔ اور اس کی زندگی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندگی کی لذتیں حاصل کرنے میں نہایت بے صبرا اور جلد باز تھا۔

اس کی عمر جب پچاس سے متجاوز ہوئی تو اس نے اپنا تمام کاروبار بند کر دیا۔ اور دیہات میں اگر اقامت اختیار کرلی۔ اسے ہر شخص سے نفرت تھی۔ وہ برتری کا گھمنڈ ظاہر کرنا چاہتا تھا مگر لوگ اس کے ماضی سے خوب واقف تھے۔ دلدوز فقروں اور چبھتے ہوئے جملوں سے اس کے غرور کا مذاق کرتے۔ بالآخر مجبور ہو کر گھر کے اندر ہی اپنی بڑائی کا مظاہرہ کیا کرتا۔ اپنی اولاد کی تربیت میں بڑا ہی سخت دبے رحم تھا۔ اس کے بے رحم ہاتھ اور خوفناک ڈنڈے کو دیکھکر لوگوں کو بڑا دکھ ہوتا۔ اس ماحول میں تربیت پانے کے بعد، ہٹلر کی خودرائی، سخت طبعی اور اس کی بہادری پر کے تعجب ہو سکتا ہے!

اسٹالین اور اتاترک کے باپ بھی اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں، نہایت سخت گیر تھے۔ ڈنڈے کی سیاست، طاقت کے اظہار اور بے دردانہ سلوک میں، مسولینی اور ہٹلر کے باپ سے یہ کچھ کم نہ تھے۔

طرفہ یہ ہے کہ ان چاروں بچوں کو اپنے باپوں کی خدمت و اطاعت کا موقع بہت کم ملا۔ اتاترک نو ہی برس کے تھے کہ ان کے والد نے رحلت فرمائی۔ اسٹالین ابھی گیارہ برس کا بھی نہ ہوا تھا کہ اسے باپ کے مرنے کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ ہٹلر کی عمر صرف تیرہ برس کی تھی کہ اس کا باپ انتقال کر گیا۔ مسولینی نے اپنے باپ کی برچھیوں سے اسی وقت نجات حاصل کر لی تھی جب اس نے گھر چھوڑا اور دور دراز کے ایک مدرسہ میں اپنا نام لکھایا۔ ان نوجوانوں کے باپوں نے جتنی ان کی تربیت کی تھی اور جتنا کچھ ان کے اخلاق و عادات کو درست کر سکے تھے۔ اس سے کہیں زیادہ اپنے اخلاق کی درستگی اور اپنی حالت کے سدھارنے کا موقع، انھیں ان کے مرجانے کے بعد نصیب ہوا۔ باپوں کے مرنے کے بعد جو زمانہ انھیں ہاتھ آیا وہی ان کے بننے کا زمانہ تھا۔ اس میں ان کی رائیں آزاد ہوئیں اور ان کے اندر اپنے آپ پر بھروسہ کرنے کی قوت پیدا ہوئی۔ وہ اپنے فرائض و واجبات اور اپنی قدر و قیمت پہچاننے پر مجبور ہوئے۔

مسولینی، ہٹلر، اسٹالین اور اتاترک کے باپوں نے جس طرح کی مشترک عادات و صفات اپنے بچوں کو سونپیں بالکل اسی طرح کے مشابہ طور و طریق، ان بچوں نے اپنی ماؤں سے بھی سیکھے۔ یہ عورتیں خصوصیات میں اپنے شوہروں کی ضد تھیں۔ وہ جتنے اکھڑ، بے رحم اور اُجڈ تھے، اتنی ہی یہ رحم دل، نرم مزاج، فرمانبردار اور پارسا تھیں۔ سب کی سب کثیر العیال تھیں، مذہب سے انھیں عشق تھا۔ تقوی و دینداری ان میں کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی۔ دنیا کے تمام کام دھندوں سے الگ تھلگ رہکر صرف خانہ داری کے انتظام اور بچوں کی دیکھ بھال میں منہمک رہتیں۔ فاقہ اور تنگدستی کی تمام مصیبتیں انھوں نے نہایت خوشی خوشی جھیلیں۔

یہ کہنا چاہیے کہ ان حکمرانوں کی تربیت دو بالکل متضاد قسم کے حالات و عوامل کے اندر ہوئی ہے۔ حامل انقلاب، جو ان کے باپوں کے سینوں میں موجزن تھا۔ اور حامل ایمان، جو ان کی ماؤں کی پیشانیوں پر اطمینان و مسرت سے چمکتا تھا۔ اتاترک کی والدہ اور ان کے والد میں عرصہ دراز تک اس بات پر جھگڑا رہا کہ اتاترک کے والد، اتاترک کے لئے محض قرآن و فقہ کی تعلیم کو کافی نہ سمجھتے تھے۔ مسولینی کے انقلاب پسند باپ اور اس کی نیک ماں کے درمیان مسولینی کی تعلیم کا معاملہ ایک مستقل وجہ نزاع تھا۔ ماں کی دلی خواہش تھی کہ بچہ کی تعلیم مذہبی ہو۔ ہٹلر کی ماں اپنے بچے کو مذہبی گیتیں یا دکرنے کی طرف متوجہ دیکھکر بہت خوش ہوتی۔ اس کی سب سے محبوب آرزو یہی تھی کہ خدا ہٹلر کو مسیح کا خادم بنا دے اور وہ اس دنیا سے کٹکر صرف خدا کا ہو جائے۔ اسٹالین کی ماں نے منت مانی تھی کہ اگر اسٹالین زندہ رہا تو اسے کنیسہ کا خادم بنائے گی۔ چودہ برس کے سن میں اس کو الٰہیات کے ایک مدرسہ میں داخل کر دیا۔ جوں جوں زمانہ گذرا اس کی مذہبی تعلیم اور رہبانیت کی مشق ترقی کرتی رہی۔ وہاں اس کو کسی ایسی قیادت کی تعلیم نہیں دی گئی جو کسی حکومت کے حصول کا ذریعہ ہو۔

یہ چاروں حکمراں نہایت بہادر، جسیم شحیم، تندرست اور قوی الاعصاب ہیں۔ لیکن ان کی مائیں نہایت ہی کمزور اور ضعیف البنیہ تھیں۔ مسولینی کی ماں بہت سے امراض میں گرفتار تھی۔ ساری رات آنکھوں میں کاٹتی اور بستر پر پڑی درد سے چلایا کرتی۔

ان حکمرانوں کے بچپن اور جوانی کے حالات سے یہ اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ ان کے تمام عادات و اطوار، اور تمام خصوصیاتِ زندگی ایک دوسرے سے بالکل مماثل ہیں۔ اب ہم اپنے دعویٰ کی تائید میں خود انہی کی زبانی چند واقعات کا اور اضافہ کرتے ہیں۔ مسولینی بیان کرتا ہے کہ "میں ایک بدمزاج اور شریر لڑکا تھا۔ دروازہ کی کنڈیاں کھٹکھٹائے بغیر سڑک پر نہ آتا۔ گھر لوٹتا تو تمام بدن چوٹوں سے داغ دار ہوتا۔ مگر میں انتقام سے بھی باز نہ آتا تھا"۔ اتاترک کو ان کے استاد کے صرف ایک فقرے نے برانگیختہ کر دیا پھر اس تاریخ سے انھوں نے اس مدرسہ کا رخ نہ کیا۔ اسٹالین بدمزاج اور آوارہ لونڈوں کا سرغنہ تھا۔

ہٹلر کے متعلق ایک ابتدائی مدرسہ کا استاد بیان کرتا ہے کہ "ہٹلر ایک شریر، ضدی اور بہادر لڑکا تھا۔ اسے اپنے ہمجولیوں سے بہت کم انس تھا۔ اس کے ساتھی بھی اس سے زیادہ ربط ضبط نہ رکھتے تھے۔ ایک سے زیادہ دوست اسے کم ملے۔ مسولینی کی شرارت یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ گاؤں ہی کی ایک لڑکی کو دیکھتا تو اس کو کمزور پا کر چھیڑتا۔ اس کے بالوں کو زور سے کھینچتا۔ جس سے لڑکی رونے اور چلانے لگتی اور وہ اس کی بے بسی و بے چارگی سے محظوظ ہوتا۔ اتاترک اپنے ضمیر اور رائے کی پابندی میں اتنے آزاد تھے کہ ان کی یہ آزادی ان کے دوستوں کو ناگوار ہوتی لیکن وہ وہی کرتے جو ان کے دل میں ہوتا اور سب کو بادل ناخواستہ اسی کا پابند ہونا پڑتا۔

ایک اور خصوصیت جو ان چاروں حکمرانوں کو مشترک طور پر حاصل ہے۔ اور جس کا ان کے

خیالات اور رجحانات زندگی پر خاص اثر ہوا وہ ان کی ماؤں کی مادرانہ شفقت ہے۔ وہ اپنے بے رحم باپوں کی محبت سے جسقدر محروم تھے ان کی مائیں اتنی ہی ان پر مہربان تھیں۔ ان شفقتوں اور ناز برداریوں کا یہ اثر ہوا کہ یہ ایثار و خودداری میں بالغ العقل لوگوں سے بھی بڑھ گئے۔ ہٹلر کہتا ہے کہ "میں باپ کا احترام کرتا ہوں اور ماں سے محبت"۔ اور درحقیقت اس کو یہی کہنا چاہئے۔ کیونکہ جب اس کے باپ کا انتقال ہو گیا اور تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو بجز ماں کی شفقت کے اور کوئی سہارا اس کے لئے باقی نہیں رہ گیا تھا۔ وہ دن بھر گھر پر رہتا۔ کھاتا، پیتا، کھیلتا اور سو رہتا۔ اس کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ دکھیاری ماں آٹے دال کی فکر میں پریشان رہتی۔ چار سال یونہی گذر گئے۔ مگر فقر و فاقہ کے باوجود اس کی ماں نے اسے کبھی آزردہ نہیں کیا۔ مسولینی کہتا ہے کہ "میں اپنے دل کی انتہائی گہرائیوں میں ماں کی محبت محسوس کرتا ہوں۔ اس نے میری خاطر بڑے دکھ اٹھائے ہیں۔ جس چیز کے لئے مچل جاتا، اس کے مہیا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتی۔ میری حالت سدھارنے کی غرض سے متواتر کئی کئی گھنٹے کام کرتی اور اف تک نہ کرتی"۔ اسٹالین اور اتاترک کی ماؤں کا بھی قریب قریب یہی حال تھا۔

ان حکمرانوں کی چند مشترک خصوصیات اور ہیں جن کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا، لیکن ہم بقصد اختصار ان کو نظرانداز کرتے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ ان کو ابتدا ہی سے ایسے حالات پیش آتے گئے جو ان کو موجودہ منازل تک کھینچ لائے۔ ان سب کی ابتدائی زندگیاں نہایت فلاکت و عسرت میں بسر ہوئیں۔ مسولینی برسوں تک سوئٹزرلینڈ کی خاک چھانتا رہا۔ اسے تھوڑی سی چٹیل زمین بھی گذارے کو نہ ملی۔ ہٹلر باپ کے مرنے کے بعد وی آنا کی گلیوں میں ٹھوکریں کھاتا پھرا۔ پیٹ بھرنے کو روٹی اور سر چھپانے کو کوئی جگہ نصیب نہ ہوتی۔ [illegible] اور راہ گیروں کے ساتھ سڑکوں پر رات کو پڑ رہتا۔ یہاں تک کہ مجبور ہو کر اسے دوسروں کے سامنے

ہاتھ پھیلانا پڑا۔ کم و بیش انہی حالات سے اسٹالین کو بھی دوچار ہونا پڑا۔

ان حکمرانوں کو اوائل عمر میں جس طرح غربت و مسکینی کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، اسی طرح جوانی میں قید و بند کی مشقتیں برداشت کرنی پڑیں۔ اسٹالین چھ مرتبہ جیل گیا۔ مسولینی، اٹلی، سوئیزر اور اسٹریا کے مختلف جیلوں میں گیارہ بار قید ہوا۔ استنبول میں اتاترک کا "لال قید خانہ" مشہور تھا۔ انھیں متعدد بغاوتوں اور مختلف سازشوں کے جرم میں سزائیں دی گئیں۔ ہٹلر کو ایک سال تک قید خانہ میں رہنا پڑا۔ قید خانہ ہی میں اس نے اپنی مشہور تصنیف "حریف سے دو دو باتیں" لکھی۔ غرض سب نے قید و بند کا تھوڑا بہت مزہ چکھا ہے۔

ش ن

یورپ کا اخلاقی زوال

مغرب کے اخلاقی زوال کا حال ہم عرصہ سے اخباروں میں پڑھ رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں مشہور برطانوی مفکر لارڈ سالسبری کی ایک تقریر سننے کے قابل ہے۔ ذیل میں اس کا ضروری خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

لارڈ سالسبری یورپ کے اخلاقی زوال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ہم بھی دنیا کے جس گوشے پر بھی نگاہ ڈالیں، اخلاقی زبوں حالی کا ایک دردانگیز منظر ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ منظر اتنا خوفناک، تاریک اور وحشت انگیز ہے کہ اس کو دیکھکر اصلاح حالات کی امید بالکل معدوم ہو جاتی ہے۔ فریب کاری اور جھوٹ وقت کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت ہے۔ ناجائز اور شرمناک جنسی تعلقات اور بے ایمانی، مکاری کی اس درجہ گرم بازاری ہے کہ اب ہم ان انسانیت سوز حرکات و افعال کی کسی قسم کی اجنبیت نہیں محسوس کرتے، جس طرف بھی نگاہ اٹھتی ہے مادیت، نفس پرستی

اور حرام کاری کا غلبہ نظر آتا ہے۔ لارڈ سالسبری اس عالمگیر تباہی سے نجات کی صرف ایک صورت بتاتے ہیں کہ دنیا مسیح کی بتائی ہوئی راہ پر گامزن ہو جائے۔ وہ آگے چلکر اس سے زیادہ دردانگیز لفظوں میں فرماتے ہیں:-

یورپ کو اس بات کا فخر ہے کہ اس نے اپنے آغوش میں دنیا کے بہترین دماغوں کی پرورش کی ہے۔ لیکن کیا وہ کوئی ایسا روحانی لیڈر بھی پیدا کر سکتا ہے جو اس ہولناک تاریکی کو شکست دیکر گم کردہ راہ انسانیت کو مذہب اور خدا کی راہ پر لگا دے۔ آج اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ارباب کلیسا نے وقت کی سب سے بڑی مشکل کے سامنے سپر ڈال دی ہے ان کی ناکامی نہایت دردناک ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک پروردگار کائنات خود رحمت و کرم کی ملکوتی افواج کے ساتھ اس زمین پر نہ اترے انسانیت کے مصائب و آلام کا خاتمہ ناممکن ہے۔ روح انسانیت نفرت و حقارت، حرص و ہوس اور خوف و دہشت کے استیلاء سے پامال ہو رہی ہے اور کوئی نہیں جو اس تباہی سے اس کو بچائے۔ ایک امریکی فلم ڈائرکٹر، جس نے یورپ کا سفر کیا ہے لکھتا ہے:-

"تم ایک طرف نگاہ اٹھاؤگے تو تمھیں وہاں کسانوں کی جماعتیں نظر آئیں گی۔ ان کے کھیت، مویشی اور فارم دیکھوگے۔ پھر دوسری طرف نظر دوڑاؤگے تو بالکل اسی شکل و صورت کے انسان اور مویشی اور فارم نظر آئیں گے، ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ ایک ہی شکل کے انسان، ایک ہی طرح کے جانور اور ایک ہی قسم کے فارم۔ لیکن دونوں کے درمیان مشین اور بجلی کی ایسی محکم دیواریں حائل ہوں گی کہ ایک پرندہ بھی ادھر سے ادھر نہیں گذر سکتا۔"

مسیح نے فرمایا تھا دشمنوں کو اپنوں کی طرح پیار کرو، لیکن اقوام یورپ اپنے ہمسایوں سے شیطان کی طرح نفرت کرتی ہیں۔ اور اس نفرت کا لازمی نتیجہ وہ خوف و ہراس ہے جس کا بادل آج تمام یورپ پر چھایا ہوا ہے۔

مسٹر نول چیمبرلین نے حال ہی میں فرمایا ہے کہ اگر حملہ و جنگ کا اندیشہ جو شب و روز ہمارے دماغوں پر مسلط رہتا ہے کسی طرح دور ہو سکتا تو ہمارے لئے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں تھی اور یقیناً ہم یورپ کی مکدر فضا کو ایک مرتبہ پھر صاف شفاف بنا لیتے۔

اس عالمگیر خوف و ہراس کے بعد اقوام یورپ کی ملک گیری اور ہوس رانی کا نمبر آتا ہے۔ جذبات حرص و ہوا کی تسکین کی خاطر دول مغرب ہر طرح کے جھوٹ، فریب، بددیانتی اور بداخلاقی کی نہایت آسانی سے مرتکب ہوتی ہیں۔ ظلمت و تاریکی کی ان مہیب قوتوں کے نتائج یورپ کی ریاستوں میں، ان کی اقتصادی بدحالیوں میں، تزئید اسلحہ کی جدوجہد میں، انجمن اقوام کی بیچارگی میں اور مقدس معاہدوں اور صلحناموں کی خلاف ورزیوں میں ہم اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں۔ جنگ کی تباہ کاریوں کے مہیا کرنے کے لئے آج روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ اور جنگ کا ہونا ناگزیر اور بالکل یقینی ہے۔ موجودہ حالت کے اندر دول یورپ کا تمام بدگمانیوں سے دور ہو کر ایک دوسرے کی طرف محبت و مودت اور اخوت و ہمدردی کا ہاتھ بڑھانا ناممکن معلوم ہوتا ہے۔

(عبدالحکیم)

اشتراکیت کی ناکامی

روس کے اشتراکی نظام نے چند سال پہلے تمام دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ لیکن اب آہستہ آہستہ اس کی کمزوریاں واضح ہو رہی ہیں اور لوگ اس سے بددل ہوتے جا رہے ہیں۔ ذیل میں ایک مشہور اشتراکی ماکس اسٹیمن کے ایک مضمون کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے جس سے اس کی موجودہ حالت واضح ہوگی۔

نظام اشتراکیت کے ابتدائی مقاصد میں "ضبط نسل" کا مسئلہ مخصوص اہمیت رکھتا تھا۔

تاکہ آبادی کی بڑھتی ہوئی تعداد کو روک کر روٹی کے مسئلہ کو حل کیا جائے۔ لیکن اس سعی میں اس کو جس حد تک کامیابی ہوئی ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آج بھی روس میں ایسی ہزاروں عورتیں موجود ہیں جو اپنے شیر خوار بچوں کے لئے دودھ خریدنے کی طاقت نہیں رکھتیں اور ان میں کتنی ایسی ہیں جن کے سر چھپانے کے لئے کوئی جھونپڑا تک موجود نہیں ہے۔ اور پھر ستم یہ ہے کہ اب سویٹ گورنمنٹ نے بعض ایسے اعلانات کئے ہیں جو نہ صرف اس کے بنیادی اصولوں سے متصادم ہیں بلکہ عقل اور جذبات انسانی کے بھی بالکل خلاف ہیں۔ مثلاً اس نے اعلان کیا ہے کہ اب نسل کو بڑھانا چاہیے کیونکہ ملک کی حفاظت کے لئے کثیر التعداد فوج کی ضرورت ہے۔ اس نے عورتوں کو بھی مشورہ دیا ہے کہ ہر عورت سپاہی، ہوا باز، انجینئر اور زیادہ سے زیادہ سپاہیوں کی ماں بننے کی کوشش کرے۔ اسلئے طلاق کے معاملہ کو حکومت نے بہت سخت کر دیا ہے لیکن اس راہ کی تمام سختیاں درحقیقت مالی قسم کی ہیں جو غرباء کے لئے تو ضرور رکاوٹ بن سکتی ہیں لیکن امراء کی راہ میں نہیں رک سکتیں اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک مختلف طبقوں میں بٹ جائے گا۔ جو ہر صورت اشتراکیت کے دعاوی کے بالکل خلاف ہے۔

جنگ کے معاملہ میں اب سویٹ گورنمنٹ اشتراکیت سے زیادہ سرمایہ دارانہ ذہنیت کے قریب ہے کیونکہ اب پورا روس ایک فوجی چھاؤنی بن گیا ہے اور ہر نوجوان کو مسلح رہنے کا حکم دیدیا گیا ہے کسی شخص کو جو فوجی صلاحیت رکھتا ہے ملک چھوڑ کر باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ جو شخص اس کی خلاف ورزی کرتا ہے، سزائے موت کا مستحق ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص گھر چھوڑ کر بھاگ گیا اور اس کے گھر والوں نے باوجود علم، حکومت کو اس واقعہ کی اطلاع نہ دی تو حکومت ایسے خاندان کو اس کی تمام مقبوضات سے محروم کر کے سائبیریا کے دور دراز علاقہ میں جلاوطن کر دیگی اور اگر یہ واقعہ خاندان والوں کی لاعلمی میں واقع ہوا تو اس کی سزا یہ ہے کہ وہ خاندان

د سال کے لئے تمام شہری حقوق سے محروم رہے گا۔

روسی افواج کی تنظیم بالکل جرمنی اور اٹلی کے فوجی اصولوں کے مطابق ہو رہی ہے اور افسروں اور سپہ سالاروں کے لئے اسی طرح کے امتیازات قائم کئے جا رہے ہیں جو زار کے عہد میں رائج تھے اور جن کو سرمایہ داری کی لعنت سمجھکر سوئٹ گورنمنٹ نے مٹا دیا تھا۔

موجودہ بالشویک حکومت ایک بالکل بیوروکریٹک نظام ہے۔ اس کی سیاست کی باگ چند ایسے زعماء کے ہاتھوں میں ہے جن کا جور و استبداد زار کے جور و استبداد سے بھی زیادہ مطلق العنان ہے۔ تاہم وہ دعوی کئے جاتے ہیں کہ انھوں نے ایک اشتراکی نظام قائم کر رکھا ہے۔ حالانکہ اشتراکیت سے ان کو دور کا بھی لگاؤ نہیں ہے۔

اسٹالین نے تمام سابق سوئٹ مجلس آئین ساز کو ختم کر کے، ہٹلر اور مسولینی وغیرہ کے طریقوں پر ایک نئی مجلس آئین ساز کی تشکیل کی ہے جس میں قوم کے ارادے اور منشا کو کوئی دخل نہیں۔ اس مجلس کی دو شاخیں ہیں (۱) مجلس خصوصی (۲) مجلس عمومی۔ مجلس خصوصی کے رکن صرف اعلی حکام اور رؤسا ہو سکتے ہیں۔ ان لوگوں کو مجلس عمومی میں بھی شرکت کا حق حاصل ہے۔ اسٹالین روس کا ڈکٹیٹر ہے۔ اس کے اختیارات غیر محدود ہیں۔ فرمائیے یہ استبداد نہیں تو اور کیا ہے۔ قوم کا مختلف طبقوں میں بٹ جانا، ملکی اختیارات کا صرف چند مستبد لوگوں کے ہاتھوں میں محدود ہو جانا۔ مزدوروں کی مزدوری کاٹ کر امیروں کے خزانے بھرنا۔ کیا انہی برکات کے پھیلانے کے لئے اشتراکیت وجود میں آئی تھی؟

اسوقت بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ روس اشتراکیت کے اصولوں پر نہیں چل رہا ہے۔ کیونکہ ملک کی دولت میں ملک کے تمام باشندے برابر کے شریک نہیں ہیں بلکہ وہ صرف چند آدمیوں کے ہاتھوں میں سمٹ کر رہ گئی ہے۔ جو صاحب اقتدار ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ان کا اقتدار برابر باقی

رہے۔ ان لوگوں کی انتہائی کوشش یہ ہے کہ قوم حقیقت حال سے آگاہ نہ ہونے پائے تاکہ ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی جرأت نہ کرے۔ غور کیجئے اس کو نظام اشتراکیت کہیں گے یا نظام سرمایہ داری! ایک قدم اور آگے بڑھکر مزدوروں کی اجرتوں کا بھی جائزہ لے لیجئے جس پر اشتراکیت کی بنیاد قائم ہے۔ بعض مزدور اتنی اجرت بھی نہیں پاتے جو ان کی ضروریات زندگی کے لئے کافی ہو اور اسکے برعکس بعض کی ماہوار آمدنی ۵۰ ہ گنی سے بھی زیادہ ہے مثلاً موسیو اسٹرولیاڈوف کی۔ کیا کارل مارکس نے انھی اصولوں کی تعلیم دی تھی؟

روس سے آنیوالوں کی زبانی معلوم ہوا کہ وہاں کے کارخانوں کے مالکوں اور دوسرے لوگوں کے پاس بڑی بڑی رقمیں جمع ہیں۔ وہ لوگ اسی طرح عیاشی اور اسراف کی زندگی بسر کر رہے ہیں جیسا کہ عہد زار کے امراء بسر کیا کرتے تھے۔ ان کے پاس نگاہوں کو خیرہ کرنے والے محل ہیں، شاندار موٹریں ہیں، خدم و حشم ہیں۔ غرضیکہ دنیاوی لذات سے متمتع ہونے کے لئے جتنے سامانوں کی ضرورت ہے سب ان کے پاس موجود ہیں۔ غرض آج اشتراکی نظام کے نام سے وہ سب کچھ روس میں ہو رہا ہے جو دنیا کی سرمایہ دار قومیں ہمیشہ سے کرتی آئی ہیں۔ لیکن بالشویک لیڈر ان باتوں کو نظر انداز کرتے جا رہے ہیں۔ ان کی ساری توجہ تو محض اس بات کی طرف ہے کہ قوم کی باگ ان کے ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے۔ یہ لیڈر اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے سرمایہ دار حکومتوں سے قرضے پر قرضے لیتے جا رہے ہیں۔ اتنے قرضے لینے کے باوجود بھی ملک کے لاکھوں انسان بھوکوں مر رہے ہیں اور ان فاقہ مستوں کی تعداد بڑھتی ہی جائے گی اس لئے کہ بالآخر انھیں غریبوں کے پیٹ کاٹ کر قرضے ادا کئے جائیں گے۔

ع۔ ر۔ ناصر

التشافات

کتاب مقدس کا سب سے بڑا لغت

ایک ہزار برس کا زمانہ گذرا، ایک یہودی عالم، داؤد بن ابراہیم نامی نے کتاب مقدس کا ایک نہایت ضخیم لغت تیار کیا تھا لیکن یہ لغت ضائع ہوگیا تھا۔ کچھ دن ہوئے بعض علما کو اس کے بعض نسخوں کا سراغ لگا اور یورپ و امریکہ کے تمام مطابع نے اس کے حاصل کرنے کے لئے بھاگ دوڑ شروع کردی۔ لیکن اس سلسلہ میں سب سے زیادہ کامیابی پروفیسر سلومن سکوس کو ہوئی جو فیلاڈلفیا کے ڈورسی کالج میں عربی کے استاذ ہیں۔ انھوں نے یورپ کے مختلف کتبخانوں سے اس کے تمام منتشر اجزا فراہم کئے اور اب امریکہ کی یال یونیورسٹی نے اس کا پہلا حصہ چھاپکر شائع کیا ہے اور بقیہ حصے یکے بعد دیگرے اسی یونیورسٹی کے اہتمام سے شائع ہوں گے۔

یہ عظیم الشان تصنیف اپنے زمانہ کی نہایت مشہور تصنیفوں میں تھی۔ یہاں تک کہ یہ کتاب "کتاب" کے نام سے موسوم ہوگئی تھی۔ مصنف نے اصل کتاب عربی زبان اور عبرانی حروف میں لکھی تھی۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ ابتدا میں علمائے یہود عربی زبان استعمال کرتے تھے۔ لیکن بعد میں انھوں نے اس کو چھوڑدیا۔ البتہ عبرانی حروف میں عربی زبان کا استعمال ایک حد تک باقی رہگیا۔

اس لغت کی مدد سے مفسرین توریت کی بعض ایسی مشکلیں حل ہوتی ہیں جواب تک لاینحل تھیں۔ مثلاً ارمیا نبی کے صحیفہ میں وارد ہے کہ خداوند نے جب کہ وہ فلسطین میں تھے، ان کو حکم دیا کہ وہ فرات کی طرف جائیں اور اپنا پٹکا ایک چٹان میں وہاں چھپادیں۔ اس موقع پر یہ سوال پیدا

ہوتا ہے کہ فرات اس سرزمین میں ہے جو قدیم زمانہ میں بابل کے نام سے مشہور تھی اور بابل و فلسطین میں اس زمانہ میں نہایت سخت عداوت تھی یہاں تک کہ کوئی شخص ان کے حدود کو پار کرکے ایک دوسرے کی سرحدوں میں داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ پھر ارمیا نبی کے لئے یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ سرحد کو عبور کرکے فرات کے کناروں تک پہنچ گئے۔

علمائے تفسیر کے نزدیک یہ سوال ہمیشہ ایک معمہ رہا لیکن اس لغت نے دریافت ہوکر دفعۃً اس عقدۂ لاینحل کی تمام گتھیاں سلجھادیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبرانی لفظ "براث" جس کا عربی میں فرات ترجمہ کیا گیا ہے درحقیقت شہر اورشلیم کے اطراف کے اس حصہ کا نام تھا جس کو اب "فاراح" کہتے ہیں۔

(اگر یہ داستان سچ ہے تو اس سے ان تحریفات کا بھی ایک پہلو روشنی میں آتا ہے جو کتب مقدس میں واقع ہوئیں۔ مترجم)

کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمارا!

برلنسٹن یونیورسٹی کے سابق پروفیسر ڈاکٹر کونکلن کا بیان ہے کہ وہ تمام کوششیں جو اب تک علمائے سائنس نے مصنوعی انسان پیدا کرنے کی راہ میں صرف کی ہیں رائگاں گئی ہیں اور آئندہ ان کے کامیاب ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے۔ علم انسانی کتنی ہی ترقی کرجائے لیکن زندگی کا راز اس کے لئے ہمیشہ معمہ ہی رہیگا۔ اور اگر ایسا ہو ا کہ علم نے اپنے معمل کیمیائی کے اندر زندگی کا راز دریافت کرلیا تو اس روز سے انسانیت کا زوال شروع ہوجائے گا۔ کیونکہ یہ یقینی ہے کہ جو انسان کیمیاوی نلکی کے اندر سے ظہور میں آئے گا وہ بالکل ایک صناعی مخلوق اور جذبات و عواطف اور شعور و احساس سے یکقلم خالی ہوگا۔

(ع۔ ر ناصر)

تقریظ و تبصرہ

بیان للناس منزل اول :- مولفہ مولانا احمد الدین ملنے کا پتہ :- دفتر امت مسلمہ امرتسر قیمت للعمر

یہ خواجہ احمد الدین صاحب کی تفسیر بیان للناس کی پہلی منزل ہے۔ فاتحہ سے لیکر سورہ نساء کے چوبیسویں رکوع تک کی تفسیر اس میں آگئی ہے۔ یہ کتاب عرصہ ہوا ہم کو ریویو کے لئے موصول ہوئی تھی۔ خیال تھا کہ اس کو پڑھکر اس پر مفصل تبصرہ لکھیں گے۔ لیکن افسوس ہے کہ اب تک اس کو پڑھنے کی نوبت نہیں آئی اور اگر کاموں کی رفتار یہی رہی جو آج ہے، تو شاید ہی کبھی اس کی نوبت آسکے۔ مجبوراً کتاب کی رسید لکھنے پر قناعت کرتے ہیں اور خواجہ صاحب سے نہایت ادب سے معافی چاہتے ہیں کہ وعدہ اور ان کی پیہم یاد دہانیوں کے باوجود ہم اس کتاب پر کچھ لکھنے کا موقع نہ نکال سکے۔

ہم نے تھوڑی سی فرصت میں کتاب کے بعض مباحث پر نگاہ دوڑائی۔ ہم کو یہ تفسیر بالکل پسند نہیں ہے۔ اس کا کوئی اصول نہیں ہے۔ لکھنے والے کے دماغ میں جو خیالات بھرے ہوئے ہیں ہر آیت کے ذیل میں ان کو ٹھونس دینے کے لئے بیتاب نظر آتا ہے۔ اس سے کچھ بحث نہیں کہ قرآن کے الفاظ اس کے متحمل ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ سرسری نگاہ میں بھی، جو چند صفحات سے آگے نہ بڑھ سکی، ہم کو متعدد ایسے الفاظ ملے جن کے معانی مصنف نے بالکل اپنے جی سے گڑھ لئے ہیں، لغت سے ان کو کوئی تعلق نہیں۔ اور قاعدہ زبان تو گویا، قرآن کو سمجھنے کے لئے سرے سے ضروری ہی نہیں۔

طرز بیان بھی بالکل غیر موثر بلکہ مصنوعی معلوم ہوتا ہے۔ زبان بالکل پنجابی ہے۔ سرسید مرحوم کی تفسیر میں اگر ان کی بے اعتدالیوں سے تکلیف ہوتی ہے تو کم از کم زبان کا لطف موجود ہوتا ہے۔ عام مباحث میں وسعت نظر اور ایک سچے جوش و جذبہ کی نمود ہوتی تھی۔ اس تفسیر میں یہ چیزیں بھی مفقود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ناواقف

مسلمانوں کو اس تفسیر کے فتنہ سے محفوظ رکھے۔ اور خواجہ صاحب کے متبعین کو توفیق دے کہ وہ کتاب اللہ کی کسی بہتر خدمت میں مشغول ہوں۔

فصل الخطاب :- مصنفہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی۔ ملنے کا پتہ منیجر مکتبہ عبرت نجیب آباد۔ قیمت فی جلد مجلد عمر غیر مجلد ۱۲ر صفحات ۱۴۰۔ کتابت و طباعت متوسط۔

یہ کتاب عنایت اللہ خاں مشرقی بانی خاکسار تحریک کے "اختیار مطلق" پر ایک کاری ضرب ہے۔ اس میں قرآن مجید اور احادیث و واقعات تاریخ اسلام سے ثابت کیا گیا ہے کہ اس قسم کی مطلق العنانی جو بانی خاکسار تحریک اپنے لئے چاہتے ہیں اسلام میں کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے۔ ہم نے کتاب جا بجا سے دیکھی۔ مصنف نے اپنے دعاوی کو نہایت خوبی سے ثابت کیا ہے اور الحمد للہ نفس مسئلہ پر بحث کی ہے، ذاتیات سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا ہے۔

بعض بحثیں پڑھکر محسوس ہوا کہ ان میں غیر ضروری طوالت کو راہ دی گئی ہے۔ جس سے اصل نتیجہ تک پہنچنے میں دیر لگتی ہے اور طبیعت کو الجھن ہونے لگتی ہے۔ حالانکہ مصنف کی بعض کتابیں ہم نے پڑھی ہیں۔ ان کا عام انداز یہ نہیں ہے۔

خاکسار تحریک یوں بھی اب نزع کی حالت میں پہنچ چکی تھی۔ انشاء اللہ یہ کتاب اس کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دے گی۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو جزائے خیر دے۔ (ا۔ ن)

جمع القرآن والاحادیث :- مولفہ مولانا ابو القاسم محمد خاں صاحب سیف بنارسی تقطیع ۲۰×۲۶ ضخامت ۳۲ صفحے۔ کاغذ سفید دبیز۔ کتابت و طباعت عمدہ۔ قیمت ۲ر ملنے کا پتہ: آل انڈیا اہل حدیث دار الاشاعت۔ لاہور۔

قرآن کریم کی ترتیب کے متعلق مسلمانوں میں عام خیال ہے کہ یہ کام حضرت عثمان غنی کے ہاتھوں انجام پایا۔ یہ خیال غلط ہونے کے علاوہ قرآن مجید پر نکتہ چینی کا ایک وسیع دروازہ کھول دیتا ہے۔ اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے یہ رسالہ لکھا گیا ہے۔ آیات قرآن، احادیث اور آثار صحابہ سے مخالفین کے

تمام مزعومہ شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے اور مستند دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن کا جامع و مرتب خود خدائے رحمان ہے۔ یعنی اس کی پوری ترتیب آنحضرت صلعم کے عہد میں ہدایت آسمانی کے مطابق ہو چکی تھی۔ قرآن کی طرح حدیثوں کے متعلق بھی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انکی تدوین بہت بعد میں ہوئی ہے۔ پیش نظر رسالہ کے ایک حصہ میں تدوین حدیث پر بھی بحث کی گئی ہے۔ اس سے متعلق عام معترضین اور منکرین حدیث کے تمام اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔ اور رسول اللہ صلعم کے اقوال و صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار سے یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ احادیث کی تحریر و ترتیب کا کام عہد رسالت میں شروع ہو چکا تھا۔ اور خود جناب رسالت مآب نے بعض صحابہ کو حدیثیں لکھوائیں اور بعض لوگوں کو لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

مجموعی حیثیت سے یہ رسالہ قابل قدر اور عام لوگوں کے فائدہ اٹھانے کے قابل ہے۔ صرف ایک امر قابل گذارش ہے کہ ترتیب قرآن کے باب میں مصنف نے بعض آیات سے جو نتائج نکالے ہیں ہم ان سے متفق نہیں ہیں۔ ان کے سیاق و سباق اور مطالب پر مزید غور و تعمق کی ضرورت ہے۔

ترجمان وہابیہ :۔ مصنفہ نواب صدیق حسن خان مرحوم۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۱۴۴ صفحے کاغذ اور کتابت و طباعت معمولی قیمت مع محصولڈاک ۵؍ ملنے کا پتہ :۔ حقانی بک ڈپو۔ امرتسر۔ (پنجاب)

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد کا زمانہ، ہندوستان میں، عام افراتفری اور انتشار و پراگندگی کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں کے اندر ایک تباہ ہونیوالی قوم کی تمام خصوصیات پیدا ہو چکی تھیں۔ عوام تو عوام، خواص امت کو بھی باہمی نزاعوں سے فرصت نہ تھی۔ بات بات پر جھگڑے ہوتے تھے اور برطانوی عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹائے جاتے تھے۔ اسی زمانہ کی بات ہے کہ تحریک اہل حدیث جو یکسر ایک مذہبی و اصلاحی تحریک تھی، بعض مخالفین کی ریشہ دوانیوں کی بدولت برطانوی حکام کے نزدیک ایک باغیانہ تحریک سمجھی گئی اور اکابر علمائے حدیث کو اس بدگمانی کو دور کرنے کے لئے بڑی کوششیں کرنی پڑیں۔ نواب صاحب مرحوم

کا یہ رسالہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس میں نہایت واضح دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ جماعت اہل حدیث کا محمد ابن عبدالوہاب نجدی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ جماعت نہ کسی خاص شخص کی مقلد ہے اور نہ اسے معاملات سیاسیہ سے کوئی تعلق ہے۔ آخر کے چند صفحات میں علماء احناف و اہل حدیث کا ایک صلحنامہ درج ہے، اس کی دفعات آج بھی قابل عمل ہیں۔ ان مسلمانوں کو ان پر عمل پیرا ہونا چاہئے جو آئے دن حنفیت اور وہابیت کے جھگڑوں سے اسلام کو رسوا کر رہے ہیں۔

مجاہد ہند :۔ مرتبہ مولوی محمد اسحاق صاحب حنیف امرتسری۔ مدیر بلاغ۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۳۲ صفحے کاغذ اور کتابت و طباعت دیدہ زیب۔ قیمت ۲؍ ملنے کا پتہ :۔ حقانی بکڈپو۔ امرتسر۔ (پنجاب)

ہندوستان کی سیاسی بیداری کی تاریخ میں مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کی ساری زندگی مسلمانوں کی اصلاح و ترقی میں گذری۔ انھوں نے آزادی اور اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے اس وقت نعرۂ حق بلند کیا جبکہ تمام عالم میں سناٹا تھا۔ وہ حق کی راہ میں لڑے اور اسی راہ میں انھوں نے اپنی جان عزیز قربان کر دی۔ ان کی ابتدائی زندگی کے حالات، ان کے تعلیمی مشاغل، ان کی اصلاحی و تبلیغی سرگرمیاں اور مجاہدانہ کارنامے نہایت حیرت انگیز ہیں۔ یہ اس چھوٹے سے رسالہ میں نہایت خوبی سے بیان ہو گئے ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اس دور نکبت و ادبار میں اس مجاہد اعظم کی سیرت سے زندگی اور روشنی حاصل کرے۔

کشمیر :۔ مصنفہ مولوی عبدالمجید صاحب بی۔ اے گورکھپوری (یوپی ایکسائز سروس) تقطیع ۲۰×۲۶/۸ حجم ۱۴۴ صفحے کاغذ متوسط۔ کتابت و طباعت معمولی۔ قیمت غیر مجلد ۱۲؍ مجلد عمر

ملنے کا پتہ :۔ قاضی محمد مسعود علی۔ محلہ قاضی پور خورد۔ گورکھپور۔

"کشمیر" کشمیر کے دلچسپ حالات کا ایک جامع مرقع ہے۔ شروع میں مصنف کے برادر خورد مولوی ساجد علی صاحب وکیل گورکھپور کا ایک مختصر دیباچہ ہے۔ اس کے بعد اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔

مصنف کو سیاحت کشمیر کے دوران میں جن مقامات کی سیر کا موقع ملا ہے، اس کے تاریخی جغرافی، تمدنی حالات نہایت تحقیق و کاوش سے جمع کر دیے ہیں نیز مختلف دور کے بزرگان دین، علماء و مشائخ اور شعرا کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ آخر میں کشمیر کی موجودہ شورش پر روشنی ڈالی گئی ہے کتاب دلچسپ اور سیر کشمیر کے شائقین کے لئے بہترین رہنما ہے۔ کتابت و طباعت اور زبان میں بعض نقائص نظر آئے، امید ہے طبع ثانی میں ان کی اصلاح ہو جائے گی۔

اثبات قربانی بآیات قرآنی:- ناشر حاجی بشیر احمد صاحب۔ تقطیع ۲۰×۲۲/۸ حجم ۱۰ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ۔ قیمت کچھ نہیں محصول ڈاک کے لئے ۱ر۔ ملنے کا پتہ:- مہتمم حلقہ دعوت و ارشاد چوک بابا اٹل۔ کوچہ کوماسنگھ۔ امرتسر۔ (پنجاب)

امرتسر میں کچھ دنوں سے "حلقہ دعوت و ارشاد" کے نام سے ایک تبلیغی ادارہ قائم ہوا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو کتاب و سنت کے تمسک اور سلف صالحین کے اتباع کی دعوت دی جائے اور جو مسلمان مغربی خیالات و افکار سے متاثر ہیں ان پر مغربی تہذیب و تمدن کے معائب اور اسلامی تہذیب اور روایات کے محاسن بے نقاب کئے جائیں۔ اس نیک مقصد کے لئے اس کی طرف سے ہر ماہ میں حالات حاضرہ کے مناسب کوئی مفید تبلیغی مضمون پمفلٹ کی صورت میں شائع ہوتا ہے اور مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔ ماہ جون میں اس حلقہ نے مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مدیر ترجمان القرآن کے دو شائع شدہ مضامین کا ایک مجموعہ شائع کیا ہے۔ یہ دونوں مضامین قربانی سے متعلق ہیں۔ اور پنجاب ہی کی ایک جماعت کے چند اشتہارات و مضامین کے جواب میں لکھے گئے ہیں۔ مولانا موصوف نے قرآنی آیات سے قربانی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور منکرین قربانی کے اعتراضات و شکوک کا نہایت مسکت جواب دیا ہے۔ جو لوگ قربانی کے اقتصادی پہلو اور اس کے روحانی فلسفہ کو سمجھنا چاہیں وہ اس رسالہ کو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

تبصرہ بر تذکرہ:- ناشر مہتمم حلقۂ دعوت و ارشاد۔ تقطیع ۲۲×۱۸/۸ حجم ۴۴ صفحے کاغذ اور کتابت و طباعت معمولی۔ قیمت مع محصول ڈاک ۴ر

مسٹر عنایت اللہ مشرقی کے "تذکرہ" کا نام اخبارات و رسائل میں بارہا آ چکا ہے۔ یہ کتاب جب شائع ہوئی، علمائے اسلام نے اس کے ملحدانہ خیالات کی مخالفت کی۔ اخبارات و رسائل میں اس کے خلاف مضامین نکلے۔ جا بجا جلسوں میں اس کے خلاف نفرت کے ریزولیشن پاس ہوئے۔ اسی زمانہ میں چودھری محمد حسین صاحب ایم۔ اے لاہوری کے قلم سے اخبار زمیندار کی کئی اشاعتوں میں اس کتاب پر ایک مفصل تبصرہ شائع ہوا۔ جو بر وقت بہت پسند کیا گیا۔ اس کے بعد سے اس کتاب کا چرچا کم ہو گیا۔ لیکن ادھر ڈیڑھ ایک سال سے عنایت اللہ صاحب نے پھر کروٹ لی اور ایک نئی تحریک تحریک خاکسار کے نام سے شروع کی۔ اور اس تحریک کے پردہ میں اس کتاب کو بھی پھیلنے کے مواقع ملے۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ اس کی طرف پھر توجہ کی جائے۔ چنانچہ حلقۂ دعوت و ارشاد نے چودھری محمد حسین صاحب کے تبصرہ کے منتشر اجزاء کو کتابی صورت میں شائع کرکے مسلمانوں کی ایک مفید خدمت انجام دی ہے۔

یار غار:- مؤلفہ مولوی محمد ظفر صاحب۔ ایم، اے، ایل، ایل، بی، وکیل۔ تقطیع ۲۲×۱۸/۱۶ حجم ۶۰ صفحے کاغذ اور کتابت و طباعت معمولی قیمت مع محصول ڈاک ۱ر۔ ملنے کا پتہ:- انجمن رفیق الاسلام گوڑ گانوہ (پنجاب)

انجمن رفیق الاسلام ایک خاموش تبلیغی انجمن ہے۔ اسلام کی عام اشاعت اور مسلمان بچوں کی اخلاقی حالت درست کرنے کی غرض سے عام فہم زبان میں چھوٹی چھوٹی کتابیں شائع کرتی رہتی ہے۔ جو نہایت مفید ہوتی ہیں۔ الاصلاح کی کسی گذشتہ اشاعت میں اس انجمن کی دو کتابوں کا تعارف ہو چکا ہے۔ یار غار بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی اختصار و جامعیت کے ساتھ نہایت آسان زبان میں لکھے گئے ہیں۔ مسلمان بچوں اور بچیوں اور عام

مسلمانوں کے پڑھنے کے لئے یہ ایک مفید کتاب ہے۔ خوبیوں کے باوجود قیمت کچھ نہیں ہے صرف محصول ڈاک کیلئے ٹکٹ بھیجکر مفت مل سکتی ہے۔

ادب لطیف افسانہ نمبر:- مرتبہ چودھری برکت علی صاحب بی۔اے و مرزا ادیب صاحب بی۔اے ضخم ۲۰۰ صفحات، کاغذ عمدہ، کتابت و طباعت بہتر۔ قیمت افسانہ نمبر ۱۲ر سالانہ للعہ ملنے کا پتہ: مکتبہ اردو لاہور

ادب لطیف ایک اچھا رسالہ ہے جو ماہ جون وجولائی کی مشترکہ اشاعتوں میں اس نے اپنا افسانہ نمبر شائع کیا ہے۔ منظوم ومنثور دونوں قسم کے مضامین ہیں اور اکثر عمدہ۔ افسانہ نویسی پر بھی چند مختصر مضامین ہیں۔

پیش نظر افسانہ نمبر کو چند تصاویر سے بھی مزین کیا گیا ہے۔ ان میں دو ایک آرٹ کا اچھا نمونہ ہیں۔ صوری اور معنوی دونوں حیثیتوں سے یہ نمبر کامیاب ہے۔ اور اس کے کارکنوں کی کوشش لائق تحسین۔

پیغام حق:- مرتبہ سید محمد شاہ صاحب ایم۔اے تقطیع ۲۰×۲۶/۸ ضخم ۳۲ صفحے کاغذ معمولی کتابت وطباعت عمدہ۔ قیمت سالانہ عہ۔ مقام اشاعت: ظفر منزل۔ تاجپورہ، لاہور۔

یہ ایک مذہبی رسالہ ہے۔ ابتک اس کے تین نمبر شائع ہوچکے ہیں ہر نمبر میں مذہب اور مسلمانوں کی عام اصلاح کے متعلق بعض مفید مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ثلاثیات کے عنوان سے اس کا ایک مستقل باب ہے جسمیں ایسی حدیثوں کے ترجمے درج کئے جاتے ہیں جنمیں صرف تین باتوں کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کے تیسرے نمبر میں "کانگریس کی الٹی برکات" کے عنوان سے جو مقالہ افتتاحیہ لکھا گیا ہے وہ بالکل لغو ہے۔ مسلمانوں کی مذہبی خدمت کے معنی اگر یہی ہیں کہ ان کے فطری جذبات و داعیات کو کچلا جائے اور انکو غلامی و بزدلی کی تعلیم دیجائے۔ تو ہمارا ان مذہبی ناصحوں پر افسوس ہے۔

پیمانہ: ناظر ساقو لطافی۔ مرتب صہبا۔ تقطیع ۲۰×۲۶/۸ ضخم ۴۰ صفحے۔ کاغذ عمدہ، کتابت وطباعت بہتر۔ قیمت سالانہ عہر پتہ:- ادبی مرکز میرٹھ

ساقی کا پیمانہ متعدد بار گردش کرچکا ہے لیکن بدقسمتی سے ہم کو بہت کم نصیب ہوا۔ اگرچہ پیمانہ ہمارے سامنے ہے دیکھنے میں تو خوبصورت ہے لیکن بہت چھوٹا ہے، رندان قدح خوار کی اس سے کیا تسکین ہوگی پھر بیکا اسمیں وہ تند و تیز بادہ نظر نہیں آتی جو ساغر صہبا کا مخصوص فیضان تھی۔ اب انھوں نے شراب کے نام سے حریفان بزم کو کوئی سرخ شربت ہی پلا دینا چاہا ہے۔ (ع۔ ن)

تفسیر سورۃ تحریم:- یہ کتاب نہایت اہم مباحث پر مشتمل ہے اس میں مصنف نے ازواج مطہرات نبوت کے متعلق تمام الزامات کی مدلل تردید کی ہے۔ شان نزول کے متعلق نہایت اہم اصولی بحثیں ہیں۔ قیمت عہ

تفسیر سورۃ المرسلات:- اس میں سورہ کی توجیہات اور صحت قرآن کی تمام توجیہات کے متعلق نہایت اہم نکتے بیان کئے گئے ہیں۔ ہواؤں کے تصرفات سے معاد پر استشہاد کے چند پہلو نہایت دقیق ہیں۔ قیمت ۳ر

تفسیر سورۃ عبس:- اس میں انبیاء کے خلق عظیم کی صحت اور ان کے مواقع عتاب کے متعلق نہایت اہم مباحث ہیں قیمت ۳ر

تفسیر سورۃ والشمس:- شمس و قمر وغیرہ سے قرآن کے عام سوگند استدلال کی توضیح کی گئی ہے سوا کے غیبی اشارات اور ان کے دفتر کی تفصیلات دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ لامحالہ استیعاب کی تفسیر خاص موہبت ربانی ہے۔ قیمت ۳ر

تفسیر سورۃ والتین:- اس میں تین، زیتون، طور سینین اور بلد امین سے وجوہ استشہاد اور ان کی تحقیق کے متعلق مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ تحقیق اور وسعت نظر کا اعجاز ہے۔ قیمت ۳ر

تفسیر سورۃ الکوثر:- کوثر کی حقیقت کے متعلق اتنا مدلل کہ بحث کا کوئی گوشہ محجوب نہیں رہ گیا ہے۔ نظم وترتیب کی اتنی تفصیل اور ان کے باہمی تعلق کی تفصیل طویل اور نہایت ایمان افروز ہے۔ قیمت ۳ر

تفسیر سورۃ الکافرون:- اسمیں بعثت کی غایت اور ہجرت کے نتائج کے متعلق ایسے نکتے بیان ہوئے ہیں جنکا سمجھنا قرآن کے بعض غایت اور مصالح سمجھنے کیلئے نہایت ضروری ہے۔ قیمت ۳ر

تفسیر سورۃ الفیل:- اس کا اردو ترجمہ الاصلاح میں شائع ہوچکا ہے جس سے اسکی اہمیت کا اندازہ ہوسکے گا۔ قیمت ۳ر

تفسیر سورۃ تبت:- اسمیں عام خیال کی مدلل تردید کی گئی ہے کہ یہ سورہ بد دعا ہے۔ ابولہب اور اس کی بیوی کے وجوہ ذکر نہایت حیرت انگیز ہیں۔ قیمت عربی ۳ر۔ اردو ۲ر

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح:- اس میں بائبل کتاب پیدائش کے خلاف قرآن اور تورات کے محکم دلائل سے حضرت اسمٰعیل کا ذبیح ہونا ثابت کیا ہے۔ قیمت ۱۰ر

امعان فی اقسام القرآن:- اسمیں ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کی قسمیں استدلال اور شہادت کیلئے ہیں۔ قیمت ۸ر

تفسیر سورۃ اخلاص:- سورہ اخلاص کی تفسیر اردو زبان میں۔ قیمت ۳ر

اسباق النحو حصہ اول و دوم:- اردو زبان میں عربی صرف ونحو کے بہترین رسالے قیمت حصہ اول ۳ر حصہ دوم ۳ر

دیوان حمید ۶ر۔ خرد نامہ ۳ر۔ تحفۃ الاعراب ۳ر

ملنے کا پتہ:- مکتبہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڑھ